بیادِ امام اہلِ سنت مجددِ ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

لوگ امام احمد رضا کو اپنے عہد کا مجدد کہتے ہیں...... اور میں اسے آنے والے ہر دور کے لئے اپنے "رسول ﷺ کا معجزہ" سمجھتا ہوں...... لوگ اسے فاضل بریلوی پکارتے ہیں ...... اور میں اسے "آیت الٰہی" دیکھتا ہوں...... لوگ اسے فقیہ و عالم ٹھہراتے ہیں...... اور میں اسے "فہم دین میں حجت" گردانتا ہوں...... اور صرف اس لیے گردانتا ہوں کہ امام احمد رضا نے فہم دین کی اساس عشق مصطفیٰ ﷺ پہ اٹھائی ہے...... اور تعبیر شریعت کا محور نسبتِ مصطفیٰ ﷺ کو بنایا ہے...... اور یہی خدا کا منشا ہے...... سارے قرآن کا جوہر یہی ہے...... اور علم و عرفان کا حاصل یہی۔

سید عبد الرحمٰن بخاری۔ پاکستان

تحریکِ فکرِ رضا

۱۶۷، ٹرم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. REGISTERATION NO.: 71248/99

برصغیر میں فکرِ امام احمد رضا کا باوقار جریدہ
سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

جلد ۲ شمارہ ۱ ☆ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء
(۱۹) شوال المکرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

مدیر: محمد زبیر قادری
منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

رابطہ کا پتہ: ADDRESS :

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada,

Mumbai - 400 008. INDIA

TEL : 377 55 41

Distributed in Pakistan By

Markazai Majlis-e-Riza

P.o.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road, Edgeley,

Stockport, SK3 9NL ENGLAND

فہرست

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا — محمد زبیر قادری

اکیسویں صدی میں اہلسنّت کی ذمہ داریاں

انسان فطرتاً جشن پسند ہے۔ آپ اقوامِ عالم کے رسوم و رواج اور معاشرت کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ دنیا کی ہر قوم نے جشن منانے کے لیے کچھ ایام مخصوص کر رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں وہ فرقے بھی جشن مناتے ہیں جن کی شریعت میں کسی کا خاص دن منانا جائز نہیں اور کچھ نام نہاد مسلمان فرقے سینہ کوبی و عزاداری کے بہانے سے جشن مناتے رہتے ہیں۔ غرض کہ ہر قوم و ملت کے جشن منانے کا انداز جدا ہے، طریقہ الگ ہے، ڈھنگ نرالا ہے پھر بھی حقیقت میں جشن منانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

موجودہ سال سن ۲۰۰۰ عیسوی بیسویں صدی کا آخری سال ہے جس کے بعد اکیسویں صدی کا آغاز ہوگا۔ یہ آغاز نئے ہزارہ کا بھی ہوگا۔ گزشتہ دسمبر ۱۹۹۹ء کے اختتام کو مہذب، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ لوگوں نے زبردستی بیسویں صدی کا اختتام قرار دیکر خوب جشن منایا۔ حالانکہ ابتدائی درجہ کا طالبِ علم بھی یہ جانتا ہے کہ گنتی ایک سے شروع ہوتی ہے صفر سے نہیں یعنی نئی صدی، نیا ہزارہ ۲۰۰۱ء سے شروع ہوگا ۲۰۰۰ء سے نہیں۔ اس مادّیت پرستی کے دور میں بڑے بڑے صنعت کار عوام الناس کو لوٹنے کیلئے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور دنیا بھر کے مالدار اور تعلیم یافتہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی ان کے مصنوعی جال میں گرتے جاتے ہیں کہ یہ سب لوٹنے کے حربے ہیں۔ اربوں کھربوں روپیہ لٹایا گیا، شراب و شباب کا بازار گرم کیا گیا اور اس میں ہماری نوجوان نسل نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اللہ رحم فرمائے۔

بات ہو رہی تھی اکیسویں صدی کے آغاز کی۔ اس بارے میں کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ اکیسویں صدی عیسائیوں کی ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق؟ ہمیں تو سن ہجری کے مطابق چلنا چاہیے۔ بات بہت حد تک صحیح ہے لیکن کیا ہم نے سن ہجری کی تاریخوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہے؟ ہجری تاریخوں کو زندگی کا معمول بنانا تو دور کی بات ہے مسلمانوں کی اکثریت اسلامی مہینوں کے ناموں سے بھی ناآشنا ہے۔ جب ہم دنیا کے تمام تر معاملات میں عیسائی کیلنڈر کی تاریخوں پر عمل کرتے ہیں تو پھر اکیسویں صدی سے ہمارا تعلق کیوں نہیں ہے.....؟ آج مسلمان کو دنیا بھر میں سب سے پچھڑی قوم تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارا عمل

بھی ایسا ہو گیا ہے کہ ہم حقیقت میں چودھویں صدی میں نظر آتے ہیں یعنی چھ سو سال پیچھے۔

یہاں پر اکیسویں صدی سے تعلق جوڑنے سے مراد یہ نہیں کہ ہم بھی غیروں کی طرح نئی صدی اور نئے ہزارہ کا جشن منانے لگ جائیں۔ یہاں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمیں گزشتہ صدی کے سالوں کا حساب کر کے نئی صدی کیلئے لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔ آج جب ایک عام آدمی، بالکل جاہل آدمی بھی اپنا گھر چلانے کیلئے حساب کتاب کرتا ہے کہ اس کے گھر کی اہم ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اُسے مہینے میں کتنے روپوں کی ضرورت پڑے گی تاکہ وہ اس قدر محنت کر کے کمائے اور اپنا گھر چلا سکے۔ اُسے کسی سے مانگنے کی نوبت نہ آئے۔...... ایک چھوٹے سے چھوٹا بیوپاری ہو یا لاکھوں کروڑوں کی ملکیت رکھنے والا بزنس مین۔ وہ اپنے کاروبار کا سال بھر کا تخمینہ لگاتا ہے کہ آنے والے سال میں آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ کیا ہو سکتا ہے، کس طرح محنت کر کے آمدنی کے مواقع کو بڑھایا جا سکتا ہے اور کس کس مد میں کیا کیا اخراجات ہو سکتے ہیں اور کس طرح ان اخراجات کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہماری جماعت اہلسنت میں احتساب کا عمل (Accountability) بالکل نہیں ہوتا۔ ہمارے مدارس، ہمارے ادارے، ہماری تنظیمیں، ہماری تحریکیں...... وغیرہ کوئی بھی اپنا احتساب نہیں کرتا کہ ہم نے جس مقصد سے اپنی تنظیم، تحریک یا ادارہ کو قائم کیا تھا اس کے حصول میں کس حد تک کامیاب رہے۔ اپنے قیام سے لیکر اب تک کن مقاصد کو حاصل کیا، ہم اپنے پروگراموں کی تکمیل میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جبکہ مومن کا ایک دن اسی وقت کامیاب کہلائے گا جب اس نے گزشتہ دن کے مقابلہ میں کوئی نمایاں کام کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ترقی کا گراف اوپر جاتا نظر نہیں آتا۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے یہاں تعمیری کام نہیں ہو رہا۔ لیکن اس میں بہت بد نظمی اور غلط منصوبہ بندی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک ہی علاقہ میں ایک سے زائد دارالعلوم کا قیام جبکہ منظم طور پر ہو تو ایک دارالعلوم ہی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ دینی کتابوں کی اشاعت میں ایک ہی موضوع پر کئی کئی کتابوں کی اشاعت جبکہ عصری تقاضوں کے مطابق لٹریچر کا فقدان ہے۔ بڑے بڑے اجلاس و کانفرنسوں کا انعقاد مگر نتائج کے اعتبار سے وہی چھوٹے موٹے جلسہ و کانفرنس کا تناسب...... وغیرہ۔ اس کے باوجود ہم اسی میں خوش رہیں کہ ہماری کارکردگی نہایت اطمینان بخش اور نتیجہ خیز ہے تو ہم پر طوفان کی آمد پر ریت میں سر چھپانے والا محاورہ صادق آتا ہے۔

جو قومیں اپنا احتساب نہیں کرتیں، جو اپنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں پر نظر نہیں رکھتیں، وہ قومیں تباہی و بربادی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ ہم پر سب سے بڑی ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے وہ یہ

کہ ہم اپنا احتساب کریں۔ گزشتہ برسوں کا جائزہ لیں، موجودہ حالات کے تقاضوں کو سمجھیں اور پھر آئندہ کیلئے کوئی بہتر منصوبہ بندی کریں۔ صرف منصوبہ بنانا ہی کافی نہیں کیونکہ عملی کوششوں کے بغیر سارے منصوبے کوئی معنویت نہیں رکھتے۔ نظم وضبط اور بہتر منصوبہ بندی سے کیے گئے معمولی کام بھی بہتر نتائج لاتے ہیں۔

دوسری اہم ذمہ داری ہے تعلیم کا فروغ یعنی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کا فروغ بھی۔ تعلیم کے تناسب میں ہم سب سے پیچھے ہیں۔ دوسرے فرقوں کو دیکھئے مجموعی تعداد میں تو ہم سے مٹھی کے برابر ہیں لیکن پڑھے لکھے لوگوں کو آگے رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے پڑھے لکھے اور دانشور اُن ہی کے یہاں ہیں۔ ہمارے یہاں کچھ پڑھے لکھے اور دانشور ہیں بھی تو انہیں اہمیت نہیں دی جاتی۔ عالم اور غیر عالم کا فرق کیا جاتا ہے۔ ہم اس میدان میں پیچھے رہ گئے جب کہ بد مذہب جماعتوں نے دنیاوی مزاج کے لوگوں کو ان کے مزاج کے مطابق دین کی تعلیم پہونچائی تو اپنوں نے بھی اس سے متاثر ہو کر بد مذہبیت ہی کو حق جانا اور اہلسنت وجماعت سے دور ہوتے چلے گئے۔ جب تک دینی ودنیوی تعلیم یکساں نہ ہو عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنا اور اس کی ضروریات کو پورا کرنا محال ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا دار لوگوں کو دینی معلومات ان ہی کے لب ولہجے میں پہونچانا، سمجھانا اور عمل کی طرف راغب کرنا آج وقت کی ضرورت ہے۔

آج کمپیوٹر کا دور ہے۔ الا ماشاء اللہ ہمارے مدارس میں کمپیوٹر تو آگئے ہیں مگر ان کا استعمال بالکل نہیں کے برابر ہے۔ بلکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ کئی مدارس میں کمپیوٹر بیکار پڑے پڑے ناکارہ ہو کر لاکھوں روپے کی بربادی کا سبب بنے ہیں۔ ہمیں دینی طلباء کو کمپیوٹر کی جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کی طرف بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا صرف چند نکات پر بھر پور توجہ دیں تو انشاء اللہ ہمارے نوے فیصد مسائل یونہی حل ہو جائیں گے اور ہم ثابت کر سکیں گے کہ ہاں کوئی بھی صدی آئے مسلمان قوم کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

O-O-O-O-O-O

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ...... حضرت فقیہہ اعظم ہند کا سانحۂ ارتحال

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ...... حضرت فقیہ اعظم ہند کا سانحۂ ارتحال

از: مولانا محمد علی رضا قادری۔ ممبئی

بروز جمعہ، مغرب کی نماز ملاڈ مالونی کی ایک مسجد میں ادا کی۔ جماعت کے بعد امام صاحب کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ "حضرات جیسا کہ جمعہ میں اعلان کیا گیا تھا۔ فقیہ العصر جناب مفتی شریف الحق امجدی صاحب قبلہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ دعائے ثانی کے بعد حضرت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوگی تمامی حضرات شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔"

اف میرے خدا یہ کیا ہو گیا۔ دماغ چند لمحات کیلئے بالکل ماؤف سا ہو گیا۔ ابھی پچھلے ہی دنوں تو فاروق بھائی کے ساتھ بات ہو رہی تھی کہ انتشار بڑھتا جا رہا ہے اور جن حضرات کے نام پر سنیت یکجا ہو سکتی ہے وہ ہستیاں دار بقا کی جانب کوچ کرتی جا رہی ہیں۔ اور اب سنیت کو ایک اور عظیم نقصان پہنچا ہے۔ ابھی تو حضور سرکار احسن العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا صدمہ بھی پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا۔ ابھی تو حکیم اہلسنت جناب حکیم محمد موسیٰ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ کے کوچ پر آنسو بہا کر ہماری آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں کہ ایک اور بزرگ ایک اور عالم ایک اور سنیت کا مضبوط ستون ایک اور مسلک اعلیحضرت کا پاسبان ہم سے بچھڑ گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے یقیناً یہ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔ علم اٹھ رہا ہے جاہلوں کے ہاتھ میں دین و دنیا کے مسائل کی باگ ڈور آتی جا رہی ہے یا اللہ! تو ہمارے ایمان کی حفاظت فرما۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

طالبِ دعا مفتی صاحب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ اسے اپنی کاہلی اور لاپرواہی ہی کہوں گا کہ حضرت سے کبھی بالمشافہ گفتگو کرنے کا شرف بھی حاصل نہیں کر سکا ہوں۔ "نزہۃ القاری" کے ذریعے حضرت کو جانا۔ تقریباً پانچ سال پہلے "نزہۃ القاری" کی تین یا چار جلدیں حاصل کیں تھیں اور تب سے طالب دعا ہر لمحہ یہی دعا کرتا تھا کہ کہیں یہ کام ادھورا نہ رہ جائے۔ اور شاید میری طرح کئی اور بھی ہوں گے جنہوں نے اپنی عبادتوں کے بعد رب سے حضور مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے عمر خیر کی دعائیں مانگی ہوں گی۔ اور اس کریم رب نے گویا اس عظیم کام کی تکمیل کیلئے حضرت کو مہلت عطا فرمائی تھی۔ ابھی ایک سال ہی تو ہوا تھا کہ شرح بخاری مکمل ہوئی تھی۔ ابھی چند دن ہی تو گذرے تھے کہ "جشن شارح بخاری" منایا گیا تھا۔ یہاں کام مکمل ہوا اور وہاں امانت کی واپسی کا وقت آگیا۔ یہ سب اس کی حکمتیں ہیں یہ سب اس کی قدرتیں ہیں۔ ہم تو بس یہی دعا کر سکتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ سنیوں کو شارح

بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔

"نزہۃ القاری" کہنے کو تو بخاری شریف کی شرح ہے۔ لیکن یہ شرح کیسے تیار ہوئی ہے ذرا اس کا بھی اندازہ لگائیے۔ آیئے خود شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات سے اس شرح کی تکمیل کا حال سنئے کہ یہ شرح کیسے لکھی گئی اور کتنی محنتوں کے بعد یہ عظیم کام مکمل ہوا۔

حضور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں "ایک حدیث ہے علماء غور کریں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر میرے حجرے میں آتے اور ابھی میرے حجرے میں جو دھوپ ہوتی وہ دیوار پر نہیں چڑھی رہتی۔ حدیث ہے لیکن سارے حاجی لوگ اور وہ جنھیں رب العالمین نے ان کی زندگی میں یہ معراج عطا فرمائی ہے مدینہ پہنچادیا ہے مدینے جانا زندگی کی معراج ہے، وہی لوگ جو مدینہ گئے وہ بتائیں کہ حجرۂ مبارکہ میں دھوپ کس طرف سے آتی تھی علماء بھی بتائیں اس لیے کہ حجرۂ مقدسہ سے دیوار مسجد متصل ہے بعد نماز عصر حجرۂ مقدسہ میں دھوپ یا تو دکھن آئے گی یا پچھم سے آئے گی۔ پچھم طرف مسجد اقدس ہے جس کی چھت حجرے سے لگی ہوئی ہے اور دکھن طرف ام المومنین حضرت حبشہ کا حجرہ تھا۔ کدھر سے دھوپ آتی۔ دوستو! جب اس مقام پہ پہنچا ہوں تو آپ سمجھئے یہ حافظ ملت کا کرم تھا میرے حافظ ملت کا نہیں سارے سنیوں کے حافظ ملت کا، کہاں سے دھوپ آئی ایک ہفتہ تک میں نے پڑھا اور ایسے پڑھا روزانہ سات گھنٹے، سات گھنٹے روزانہ، یہ بات سمجھنے کے لئے کہ دھوپ کدھر سے آئی تھی پڑھا پڑھنے کے بعد فتح یاب ہوا بات یہ ہے کہ سب کے ذہنوں سے نکلی ہوئی ہے واعظین بیان کرتے ہیں ان کو بھی دھیان نہیں ہے مدرسین پڑھاتے ہیں ان کو بھی دھیان نہیں ہے کہ مسجد نبوی پہلے چھوٹی تھی اور جب تنگ ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو برابر کی زمین خرید کے مسجد کو دے کر جنت لیتا ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خریدا یہ فتح مکہ سے پہلے کی بات ہے مسجد چھوٹی تھی۔ مسجد اور حجرے کے بیچ میں فصل تھا تو دھوپ آتی تھی تو یہ واقعہ ہے کب کا جنگ خیبر سے پہلے جب مسجد چھوٹی تھی۔ جواب دو سطر کا ہے لیکن اس کے حل کرنے کے لئے ایک ہفتہ تک اپنی پوری توانائی صرف کرنی پڑی۔"

(ماہنامہ اشرفیہ جشن شارح بخاری نمبر۔ ص ۲۴)

ذرا تصور تو کیجئے اس محنت کو جو اس عظیم کام کی تکمیل میں صرف کی گئی ہے۔ ایک حدیث کی شرح کے لئے ایک ہفتہ لگاتار سات گھنٹے پڑھنا اور پھر اس کے بعد اس کا حل دریافت کرنا۔ کیا یہ ہر کس و

ناکس کا کام ہے۔ بالکل نہیں یہ تو وہی کر سکتا ہے جسے خود صاحبِ حدیث پسند فرمالیں۔ جسے ان کا رب منتخب کر لے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ اور ایسا بھی نہیں کہ چند ہفتوں یا چند مہینوں میں اس شرح کی تکمیل ہو گئی اور سکون حاصل ہو گیا۔ جی نہیں آیئے خود فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ یہ شرح کتنے عرصے میں مکمل ہوئی۔ حضرت فرماتے ہیں "میں نے اکیس ذو الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء شب سہ شنبہ سے مستقل شرح لکھنے کا افتتاح کیا تھا اور گیارہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۸ء شب پنج شنبہ میں گیارہ بجے شرح تکمیل کو پہنچی۔ کل سولہ سال آٹھ ماہ بیس دن میں یہ شرح مکمل ہوئی فالحمد لله علىٰ ذٰلك۔" (ایضاً۔ ص ۶)

دیکھا آپ نے تقریباً سترہ سال کی جی توڑ اور جاں سوز محنت کے بعد نو جلدوں کی شکل میں "نزہۃ القاری" جیسا عظیم خزانہ سنیت کو نصیب ہو سکا ہے۔ اور جب اس عظیم اور ناقابل فراموش کارگذاری کی تکمیل ہو گئی تو یہ بھی نہیں کہ اس بات پر خود کو قابل فخر سمجھا ہو یا دوسروں سے برتر جانا ہو۔ سبحان اللہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے باوجود عاجزی و انکساری کا عالم بھی ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں "اب کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس کا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ اکابر، اقران، احباب سے درخواست ہے کہ اگر انھیں کوئی غلطی ملے تو مجھے مطلع کریں اس پر پوری سنجیدگی سے غور کروں گا اگر ان کی رائے درست ہوگی تو اسے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوگا۔" (ایضاً۔ ص ۷)

دیکھا آپ نے یہ ہے انکسار کا عالم ہمارے وہ علماء جو ذرا سی کوشش کر لیں (اوّل تو ایسے بہت کم ہیں جو دین کیلئے واقعی کوئی کام کرتے ہوں) تو پھر یہی طلب لگی رہتی ہے کہ لوگ ان کی عزت کرنا شروع کر دیں اور ان کی واہ واہی ہوتی رہے۔ فلاں جگہ تقریر کر لی تو اب یہ جناب تقریر کے بادشاہ ہو گئے کیوں کہ عالی جناب نے فلاں اسٹیج سے تقریر کی ہے۔ چند صفحات کا کتابچہ بھی اگر لکھ دیا ہے تو درجنوں علماء سے تصدیقات اور تقریظات لکھوانا ایک ضروری امر ہے تاکہ ان تقریظات اور تصدیقات سے لوگوں پر اثر پڑے کہ عالی جناب نے یہ جو چھوٹی سی کتابچی لکھی ہے اسے فلاں فلاں بزرگ اور محدث نے پڑھا اور جناب کی تعریف کی ہے۔ اف اف اف۔۔۔ یہ ہمارا حال ہو چکا ہے کہ اب ہم دین کے کاموں میں بھی واہ واہی کے خواستگار ہو گئے ہیں۔ اور جنھوں نے حقیقی معنوں میں دین کا وہ کام کیا جس کی کمی سالہا سال سے محسوس کی جا رہی تھی اور جس کام کی بناء پر وہ ہستی واقعی اپنے آپ پر فخر کر سکتی تھی اس کے اخلاص اور انکسار کو ملاحظہ کیجئے اور ہو سکے تو سنیت کے اس عظیم رہنما سے کچھ سبق حاصل کیجئے۔ مولیٰ عزوجل ہم

سب کو توفیق عطا فرمائے۔

مزید فرماتے ہیں "اے عفوو غفور، کریم ورحیم معبود مجھے اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں مجھ سے ضرور غلطیاں ہوئی ہوں گی ان سب کو معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ کوئی بھی غلطی دانستہ نہیں میرے علم وفہم کی کوتاہی کی بناپر ہے آئندہ میرے قلم، میری زبان کو غلطی سے محفوظ فرما۔۔ اے بے نیاز مولیٰ تیری بارگاہ قدس میں انتہائی عجز والحاح کے ساتھ التجا ہے کہ اپنے اس بندۂ بے نوا کی اس ناچیز کوشش کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما، اسے میری نجات اور اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین" (ایضاً۔ ص، ۸، ۷)

یہاں پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ قارئین کرام بآسانی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

جب آپ نے اپنے رب کی بارگاہ میں یہ التجا کی تو اس کریم رب نے بھی اپنی کریمی کا وہ جلوہ دکھایا جو سالوں سے کسی عالم کو نصیب نہ ہو سکا تھا۔ اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں شارح بخاری کی وہ محبت پیدا کردی کہ قوم نے اپنے اس عظیم محسن کی شان میں بالکل ہی نئے انداز سے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ آیئے آپ بھی اس منظر کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں خوشی کے آنسوؤں کو تیرنے دیجئے۔

"دوسرے اجلاس میں قریب چار بجے شب حضرت شارح کو شرح بخاری لکھنے کے اعزاز میں چاندی سے تولا گیا یہ بڑا تاریخی اور دیدہ زیب منظر تھا۔ ایک بڑا ترازو اسٹیج پر دلہن کی طرح سجایا گیا تھا پورا میدان ممبئی کے پر جوش مسلمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اہل شوق درختوں، دیواروں اور بلڈنگوں پر چڑھے ہوئے تھے، فلک شگاف نعروں کی گونج سے ایک سماں بندھ گیا تھا، بڑے اعزاز واکرام اور ادب و احترام کے ساتھ حضرت فقیہ اعظم ہند شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ کو ترازو کے ایک پلے میں بٹھایا گیا اور دوسرے پلے میں یکے بعد دیگرے مشائخ اہلسنت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے چاندی کی اینٹیں رکھنا شروع کیں، جب چاندی والا پلہ جھک گیا تو چاندی رکھنے کا سلسلہ بند کیا گیا۔ یہ منظر بڑا پر کیف اور مسرت انگیز تھا جب حضرت شارح بخاری ترازو سے اترے تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں ہم لوگوں کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ حضرت شارح بخاری نے اس چاندی کے دو حصے اپنے مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کو نذر کردیئے اور ایک حصہ رضا اکیڈمی کو عنایت فرمادیا۔" (ایضاً۔ ص، ۱۳)

اللہ اکبر! یہ ہے قوم کی محبت۔ اے کاش کہ ہمارے سارے علماء اہلسنت صحیح معنوں میں قوم کی

رہنمائی کریں تو یقیناً یہی قوم جو آج ان کا مضحکہ اڑا رہی ہے۔ کل انہیں بھی اپنی پلکوں پر اٹھاتی ہوئی نظر آئے گی۔ حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قوم کی عطا کردہ دولت کو اپنی ذات یا اپنے لواحقین کے مصرف کیلئے محفوظ نہیں کر لیا بلکہ آپ نے بتادیا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے۔ دین کی صحیح معنوں میں خدمت کیا ہوتی ہے۔ تاریخ ایسی بہت ہی کم ہستیوں کو پیش کر سکے گی جنھوں نے اپنے سامنے آئی ہوئی دنیوی دولت کو ٹھوکروں پر اڑا دیا اور خود فقیری کی چادر میں چھپے رہے۔ حضور شارح بخاری بھی انہیں ہستیوں میں سے ایک تھے۔

افسوس کہ آج وہ عظیم ہستی ہمارے درمیان موجود نہیں رہی، لیکن ان کی یادیں اور ان کی سیرت ہمیشہ ہماری رہنمائی کر ہمیں سنیت اور رضویت کی راہ دکھاتی رہے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اس محسن کی تعلیمات اور سیرت پر صحیح معنوں میں عمل کر کے سنیت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ اخلاص اور انکساری کے ساتھ دین کا کام کرتے رہیں۔ مولیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ ہم سب سنیوں کو صحیح معنوں میں شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ مولیٰ عزوجل جناب مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار انور پر لمحہ لمحہ اپنے انوار کی بارشیں برساتا رہے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

خدا رحمت کند ایں پاک طینت را

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

اَلْاُھْدَاء

حضور سیدی اعلیٰحضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از: علامہ سیّد احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الاستفسار: ایک دوست نے مجھے دیوبندیوں کا ایک رسالہ دکھایا جس میں اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حسب ذیل مضمون درج تھا "رب نے مشورہ طلب فرمایا۔"

"ایک صاحب لکھتے ہیں اور حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جو ابن حذیفہ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے رب نے میری اُمت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔"

(الامن والعلیٰ صفحہ ۸۵)

اور اس حدیث کی تخریج کو امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف منسوب کیا۔

اہل عقل خوب جانتے ہیں کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج وعاجزی پر دلالت کرتا ہے۔ یا کم از کم مشورہ اس واسطے ہوتا ہے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے اور اللہ کی طرف نہ احتیاج وعاجزی کی نسبت درست ہے اور نہ وہاں غلطی کے احتمال کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تاویل یوں کر لی جائے کہ یہ مشورہ عزت افزائی کی خاطر ہے۔ مگر دوسری طرح بھی اس میں کچھ گفتگو ہو سکتی ہے۔ مثلاً ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی بھی نہیں ہوا۔ خیر اس بات کو بھی کتابت کی غلطی کہہ کے کاتب کے سر منڈھ دیا جائے گا اور کہا جا سکتا ہے کہ ابن حذیفہ نہیں، حذیفہ در حقیقت تھا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ مسند احمد صفحہ ۳۸۲۔۴۰۸ میں اس صحابی کی بہت سی روایات ہیں مگر ایسی جھوٹی روایت کا نام ونشان بھی نہیں۔

ضعیف اور وضعی احادیث بیان کرنا بھی اگرچہ جرم ہے مگر یہ تو نہ حدیث وضعی ہے نہ ضعیف بلکہ سرے سے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس جھوٹی حدیث کو مسند احمد میں بتانے

والا ہمارے دوستوں کے نزدیک مجدِّد مأۃ حاضرہ بھی ہے۔ اگر مجدِّد ایسے ہی ہوتے ہیں تو ہمارا ایسے مجدِّدوں کو دور ہی سے سلام ہے۔" (الصدیق۔ ملتان بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ)

(نوٹ: یہ رسالہ مولوی خیر محمد جالندھری کے مدرسہ خیر المدارس بیرون دہلی دروازہ ملتان سے شائع ہوتا تھا)

مضمونِ بالا میں کسی دیوبندی نے سیّدنا اعلیٰحضرت مجدِّد مأۃِ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "الامن والعلی" کے صفحہ ۸۵ سے اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے کی طویل حدیث کے ایک جملہ کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کردہ حدیث مبارکہ کو محض اس لیے جھوٹا قرار دیا ہے کہ مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال دور کرنے اور احتیاج و عاجزی کی بناپر ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ جب ان باتوں سے پاک ہے تو اس کیلئے مشورہ طلب کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ لہٰذا یہ حدیث غلط اور جھوٹی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱۔ کیا یہ حدیث بروایت ابن حذیفہ حدیث کی کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ......!

۲۔ امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف اس کی نسبت درست ہے یا نہیں اور......

۳۔ ابن حذیفہ نام کا کوئی صحابی ہوا ہے یا نہیں۔ یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ......

۴۔ مشورہ طلب کرنا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی بناء پر غلطی دور کرنے کیلئے ہوتا ہے یا کبھی اس کے بغیر بھی مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ......

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی مخلوق سے کوئی مشورہ طلب کیا ہے یا نہیں؟ ان تمام امور کا جواب پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

جواب: بد عقیدگی اور گمراہی کی اصل بنیاد یہ کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ مقدسہ کا قیاس اپنے افعال پر کرلیا جائے۔ معاذاللہ ثم معاذاللہ۔ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہم اپنے مشوروں کے متعلق اگر یہ کلیہ تسلیم کرلیں کہ ہمارا مشورہ طلب کرنا غلطی کا احتمال دور کرنے کیلئے احتیاج اور عاجزی کی بناء پر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ کسی حد تک اسے صحیح کہا جاسکے۔ لیکن اللہ اور اُس کے رسول کے مشورہ کو بھی اس کلیہ میں شامل کرنا باطلِ محض ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذاللہ، اللہ و رسول ہماری مانند ہیں۔ غلطی کا احتمال دور کرنا بھی حاجت ہے اور عاجزی بھی احتیاج کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے محتاج نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں غنی، بے پرواہ اور

احتیاج سے پاک ہیں جیسا کہ عنقریب دلائل کی روشنی میں واضح کیا جائے گا۔

ایک صحیح اور واقعی حدیث کو جو کتبِ احادیث میں موجود ہیں اور معترض علم حدیث سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسے معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ محض اپنی رائے ناقص پر اعتماد کرکے جھوٹی حدیث کہہ دینا بلکہ اپنے زعم باطل کی بناء پر یہ دعویٰ کردینا کہ اس حدیث کا کہیں ذکر نہیں۔ بد ترین جہالت و ضلالت کا مظاہرہ ہے۔ دیکھیے یہ مبارک حدیث مسندِ امام احمد جلد پنجم و کنز العمال جلد ششم اور خصائص کبریٰ جلد دوم تینوں کتابوں میں موجود ہے۔

إنَّ رَبِّي إسْتَشَارَ فِي أُمَّتِي مَاذَا فَعَلَ بِهِمْ فَقُلْتُ مَا شِئتَ يَا رَبِّ هُمْ خَلْقُكَ وَ عِبَادُكَ فَاسْتَشَارَنِي الثَّانِيَةَ فَقُلْتُ لَهُ كَذَالِكَ فَاسْتَشَارَنِي الثَّالِثَةَ فَقُلْتُ لَهُ كَذَالِكَ فَقَالَ تَعَالىٰ إنِّي لَنْ أُخْزِيَكَ فِي أُمَّتِكَ يَا أحْمَدُ وَبَشَّرَنِي أنَّ أوَّلَ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مَعِيَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ ألْفًا لَيْسَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ ثُمَّ أرْسَلَ إلَيَّ اُدْعُ تُجَبْ وَسَلْ تُعْطَ فَقُلْتُ لِرَسُوْلِهِ أوَ مُعْطِيَّ رَبِّي سُؤْلِي قَالَ مَا أرْسَلَ إلَيْكَ إلَّا لِيُعْطِيَكَ۔ الحديث

(حم (احمد) وابن عساکر عن حذیفة)

کنز العمال جلد ششم صفحہ ۱۱۲ حدیث ۱۷۳۵ و خصائص کبریٰ جلد دوم صفحہ ۲۱۰ اخرج احمد وابو بکر الشافعی فی الغیلانیات وابو نعیم وابنِ عساکر عن حذیفہ بن الیمان و مسندِ امام احمد جلد ۵ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۹۳۔

ترجمہ: بے شک میرے رب کریم نے میری اُمت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔ کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا۔ اے میرے رب جو کچھ تو چاہے وہی کر، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے وہی جواب دیا۔ اس نے تیسری دفعہ مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔ میں نے پھر وہی عرض کیا۔ پھر میرے رب کریم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک میں تیری اُمت کے معاملہ میں تجھے ہر گز رُسوا نہ کروں گا۔ اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر ہزار اُمتی سب جنتیوں سے پہلے میری ہمراہی میں داخلِ جنت ہوں گے۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ جن سے حساب تک نہ لیا جائے گا۔ پھر میرے رب نے قاصد بھیجا۔ کہ میرے حبیب تو دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی۔ اور مانگ تجھے دیا جائے گا۔ میں نے اپنے رب کریم کے قاصد سے کہا کہ کیا میرا رب میری ہر مانگی ہوئی چیز دے گا؟ تو

اُس قاصد (فرشتہ) نے عرض کی۔ کہ حضور اسی لیے تو رب تعالیٰ نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ بھی مانگیں آپ کو عطا فرمائے۔

آگے یہ حدیثِ مبارک طویل ہے۔ جس میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اُمتِ مکرمہ کے بہت سے فضائل و محامد بیان فرمائے۔ ہم نے قدرِ ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔

معترض کا قول یہ تھا کہ اس جھوٹی حدیث کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا کہ مسندِ امام احمد و کنزالعمال اور خصائص کبریٰ میں یہ حدیث موجود ہے۔ کنزالعمال میں تو اس کی تخریج صرف امام احمد اور امام بن عساکر کی طرف منسوب ہے لیکن خصائص کبریٰ میں ان کے علاوہ ابو بکر شافعی (امام بزار) اور ابو نعیم کی طرف بھی اس حدیث کی تخریج کو منسوب کیا ہے۔ وللّٰہ الحجۃ السامیہ

اعلیٰحضرت مجددِ دین وملت رحمۃ اللہ علیہ نے الامن والعلیٰ میں مسندِ امام احمد کا نام نہیں لکھا۔ صرف اتنا تحریر فرمایا: الامام احمد و ابن عساکر عن حنیفۃ (الامن والعلیٰ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ مطبع اہلسنت والجماعت بریلی) اور الفاظ حدیث کنزالعمال جلد ششم سے نقل فرمائے اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ تاکہ ان منکرین و مخالفین کے ادعائے علم و فضل کی حقیقت آشکارہ ہو۔ الحمد للہ! اہل علم نے دیکھ لیا کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجددِ ملت قدس سرہ العزیز علم و فضل کا وہ بحر ذخار ہیں جس کے ساحل تک بھی منکرین کی رسائی نہیں۔ ذالک فضل اللہ۔

رہا ابن حذیفہ کا معاملہ تو یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ کنزالعمال اور خصائص کبریٰ اور مسندِ امام احمد تینوں میں عن حذیفۃ موجود ہے۔ نیز الامن والعلیٰ مطبوعہ مطبع اہلسنت والجماعت بریلی شریف صفحہ ۱۲۳ پر اور اسی طرح الامن والعلیٰ شائع کردہ نوری کتب خانہ لاہور کے صفحہ ۱۲۳ پر عن حذیفہ موجود ہے۔ البتہ صابر الیکٹرک پریس کی مطبوعہ کے صفحہ ۸۵ پر کاتب کی غلطی سے عن کی بجائے ابن لکھا گیا ہے جسے کوئی معمولی سمجھ والا انسان بھی مصنف کی طرف منسوب نہیں کر سکتا مگر جو شخص تعصب و عناد کے جوش میں ایک ایسی عظیم و جلیل حدیث کو نہیں مانتا جو کتب احادیث میں موجود ہے تو اس حقیقتِ ثابتہ کو کیونکر تسلیم کرنے لگا ہے!

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارا آپس میں مشورہ طلب کرنا تو احتیاج و عاجزی کی بناء پر اور غلطی کے احتمال کو دور کرنے کیلئے ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

مشورہ طلب کرنا احتیاج وعاجزی اور ازالۂ احتمالِ غلطی کیلئے قطعاً نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں غنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے مشورہ سے غنی ہونا تو ظاہر ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے ساتھ مشورہ فرمانے سے اس لیے غنی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آسمان سے وحی الٰہی آتی ہے۔ نیز یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **وشاورھم فی الامر** فرما کر مشورہ کرنے کا حکم فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کریم کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے غلاموں سے مشورہ فرمایا۔ صرف اس لیے کہ انہیں مشورہ کی تعلیم دیں اور مشورہ کو ان کیلئے رحمت بنائیں اور انہیں استخراج رائے صحیح میں اجتہاد کی طرف رغبت دلائیں اور ان سے مشورہ لے کر ان کی شان بڑھائیں اور ان کے دلوں کو خوش کریں۔

دیکھئے "صاحبِ روح المعانی آیۂ کریمہ "**وشاورھم فی الامر**" کے تحت اسی مضمون کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَيُؤَيِّدُهُ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِیٍّ وَالْبَيْهقِی فِی الشُّعَبِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا لَمَّا نَزَلَتْ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّ اللّٰه وَرَسُوْلَهٗ لَغَنِيَّانِ عَنْهَا وَلٰكِنْ جَعَلَهَا اللّٰهُ تَعَالیٰ رَحْمَةً لِأُمَّتِیْ۔ (روح المعانی پ ۴، صفحہ ۹۴)

اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابنِ عدی نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب آیت کریمہ "وشاورھم فی الامر" نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں مشورہ سے غنی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری اُمت کیلئے رحمت بنایا ہے۔"

اسی طرح تفسیر ابن جریر میں ہے:

عَنِ الرَّبِيْعِ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ قَالَ تِلْكَ اَمَرَاللّٰهُ نَبِيَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

اَنْ یُّشَاوِرَ اَصْحَابَہٗ فِی الْاُمُوْرِ وَھُوَ یَاتِیْہِ الْوَحْیُ مِنَ السَّمَآءِ لِاَنَّہٗ اَطیبُ لِاَنْفُسِھِمْ۔

(ترجمہ) حضرت ربیع سے روایت ہے "وشاورھم فی الامر" نازل فرماکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ طلب امور میں حضور کے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آسمانی آتی ہے۔ صرف ان کے دلوں کو خوش کرنے کی خاطر۔"

اسی مقام پر ابن جریر میں ایک اور حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں۔ وَاِنْ کُنْتَ عَنْھُمْ غَنِیًّا۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے صحابہ کی تالیف کے لیے ان سے مشورہ کرلیا کریں۔ اگرچہ آپ ان سے غنی ہیں۔" (تفسیر ابن جریر پ ۴ ص ۹۴)

اور تفسیر کبیر میں ہے۔ (اَلْخَامِسُ) وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ لَا لِتَسْتَفِیْدَ مِنْھُمْ رَأْیًا وَّ عِلْمًا لٰکِنْ لِکَیْ تعلم مَقَادِیْرَ عُقُوْلِھِمْ الخ

ترجمہ: یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ آپ ان سے کسی قسم کی رائے یا علم کا استفادہ کریں۔ بلکہ اس لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے عقول وافہام آپ کے سامنے ظاہر ہوجائیں اور ان کی محبت کے اندازے سامنے آجائیں۔" اس کے چند سطر بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (اَلسَّادِسُ) (وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ) لَا لِاَنَّکَ مُحْتَاجٌ اِلَیْھِمْ وَلٰکِنْ لِاَنَّکَ اِذَاشَاوَرْتَھُمْ فِی الْاَمْرِ اِجْتَھَدَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمْ فِیْ اِسْتِخْرَاجِ الْوَجْہِ الْاِصْلَاحِ الخ

ترجمہ: اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے مشورہ فرمائیں۔ اس لیے نہیں کہ آپ ان کے محتاج ہیں۔ لیکن جب آپ ان سے مشورہ فرمائیں گے تو آپ کے غلاموں میں سے ہر شخص وجہ اصلح کے استخراج میں کوشش کرے گا۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کریمہ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ کے تحت مرقوم ہے۔ وَقَدْ ذَکَرَ الْعُلَمَاءُ لِاَمْرِ الرَّسُوْلِ بِالْمُشَاوَرَۃِ مَعَ اَنَّہٗ اَعْلَمُ النَّاسِ وَاَعْقَدُھُمْ فَوَائِدَ مِنْھَا اَنَّھَا تُوْجِبُ عُلُوَّ شَانِھِمْ وَرِفْعَۃَ قَدْرِھِمْ۔ (تفسیر نیشاپوری پ ۴ صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: باوجود اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ علم اور عقل والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ کا امر فرمایا۔ علماء نے اس کے کئی فائدے ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان سے مشورہ فرمانا ان کی علو شان رفعت قدر و منزلت اور ان کے اخلاص و محبت کے زیادہ ہونے کی موجب ہے۔

الحمد للہ! ان روایات و عبارات علماء مفسرین سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ فرمانا احتیاج و عاجزی کی وجہ سے ہرگز نہیں نہ کسی غلطی کے احتمال کو دور کرنے کیلئے ہے۔ بلکہ ایسی حکمتوں اور فائدوں کی بناء پر ہے جن کا تصور بھی معترض کے ذہن میں نہیں اور ہم نے انہیں بالتفصیل بیان کر دیا۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے مشورہ طلب فرمایا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر میں آیت کریمہ " وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً " کے تحت ایک حدیث نقل فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے:

عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ قَتَادَةَ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً فَاسْتَشَارَ الْمَلٰٓئِكَةَ فِیْ خَلْقِ آدَمَ فَقَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ الحدیث (تفسیر ابن جریر پارہ ۱ صفحہ ۱۵۸)

ترجمہ: آیت کریمہ "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کی تفسیر میں حضرت سعید حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارہ میں فرشتوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ تو فرشتوں نے عرض کیا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا الآیۃ

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَعَرَّفَهُمْ عِنْدَ الْمَشْوَرَةِ مَعَ الْمَلٰٓئِكَةِ خُلُوَّهُمْ مِنَ الْمَحَبَّةِ۔

(تفسیر عرائس البیان جلد اوّل صفحہ ۱۹)

ترجمہ: فرشتوں سے مشورہ کرتے وقت اللہ تعالی نے فرشتوں کے جذبۂ محبت سے خالی ہونے کی بات انہیں بتا دی تھی۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت مرقوم ہے: اَوْلِیُعَلِّمَ عِبَادَهٗ الْمُشَاوَرَةَ فِیْ اُمُوْرِهِمْ قَبْلَ اَنْ یُّقْدِمُوْا عَلَیْهَا وَاِنْ كَانَ هُوَ یَعْلَمُهٗ وَحِكْمَتُهُ الْبَالِغَةُ غَنِیًّا عَنِ الْمُشَاوَرَةِ (تفسیر مدارک جلد اوّل صفحہ ۳۲) یا اس لیے فرشتوں سے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" فرمایا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اس بات کی تعلیم دے کہ وہ اپنے کام کرنے سے پہلے مشورہ کر لیا کریں اگرچہ اللہ تعالی سب کچھ جانتا ہے اور اس کی حکمت بالغہ مشورہ سے غنی ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے: وَالْفَائِدَةُ فِیْ اِخْبَارِ الْمَلٰٓئِكَةِ بِذٰلِكَ اِمَّا تَعْلِیْمُ الْعِبَادِ

اَلْمُشَاوَرَةِ فِی اُمُوْرِهِمْ وَاِنْ کَانَ هُوَ بِحِکْمَةِ الْبَالِغَةِ غَنِیًّا عَنْ ذَالِکَ وَاِمَّا اَنْ یَسْئَلُوْا ذٰلِکَ السُّوَالَ وَیُجَابُوْا بِمَا اُجِیْبَ ۔ (تفسیر نیشاپوری پارہ اوّل صفحہ ۲۰۹)

ترجمہ: فرشتوں کو یہ خبر دینے میں یا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کاموں میں مشورہ کرنے کی تعلیم دے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے مشورہ کرنے سے غنی ہے۔ اور یا یہ فائدہ ہے کہ فرشتے یہ خبر سن کے اَتَجْعَلُ فِیْهَا کے ساتھ سوال کریں۔ اور انہیں اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ جواب دیا جائے۔ تفسیر سراج منیر میں ہے وَفَائِدَةُ قَوْلِهٖ هٰذَا لِلْمَلٰئِکَةِ تَعْلِیْمُ الْمُشَاوَرَةِ اَوْ تَعْظِیْمُ شَانِ الْمَجْعُوْلِ (تفسیر سراج المنیر جلد اوّل، ص ۴۲)

ترجمہ: فرشتوں سے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" فرمانے کا فائدہ تعلیم مشاورت یا تعظیم شان مجعول ہے۔ اسی طرح تفسیر جمل جلد اوّل ص ۳۸ پر ہے۔ تفسیر بیضاوی جلد اوّل۔ تفسیر کشاف جلد اوّل، ص ۲۰۹۔ تفسیر کبیر جلد اوّل، ص ۳۸۲۔ روح المعانی پارہ ۱، ص ۲۰۳۔ روح البیان جلد اوّل ص ۹۴ پر ہے۔

ان تمام عبارات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دینے اور آدم علیہ السلام کی تعظیم و دیگر حکمتوں کی بنا پر آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں سے مشورہ لیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ ثابت ہوا کہ مشورہ لینا ہمیشہ احتیاج و عاجزی کی وجہ سے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ حکمتوں پر بھی مبنی ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ فرشتوں سے مشورہ فرمانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں تو حضور نبی کریم ﷺ سے مشورہ کرنا کیونکر عظمتِ خداوندی کے منافی ہو سکتا ہے۔

مشورہ کے معنی اور معترض کی غلط فہمی کا ازالہ

لفظ مشورہ عرب کے قول "شِرْتُ الْعَسَلَ" سے ماخوذ ہے۔ یعنی میں نے شہد کو اس جگہ سے نکال لیا۔ مشورہ کے معنی ہیں۔ "استخراج الرائے" بیضاوی میں ہے:

"اَلْمَشْوَرَةُ اِسْتِخْرَاجُ الرَّأْیِ بِمُرَاجِعَةِ الْبَعْضِ اِلَی الْبَعْضِ"

(مفردات راغب صفحہ ۲۷۲) خلاصہ یہ کہ کسی کی طرف رجوع کر کے اس کی رائے کے استخراج کا نام مشورہ ہے۔ مشورہ میں یہ ضروری نہیں کہ متکلم و مخاطب میں سے ہر ایک کی رائے کا استخراج ہو۔ بلکہ صرف مخاطب کی رائے لینا بھی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور فرشتے مخاطب۔ اللہ تعالیٰ نے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کہہ کر فرشتوں کی رائے لی اور فرشتوں نے اَتَجْعَلُ فِیْهَا کہہ کر

اپنی رائے ظاہر کردی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی امت کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مَاذَ أفعَلُ بِهِم فرماکر حضور کی رائے لی۔ حضور ﷺ نے مَا شِئتَ يَا رَبِّ هُم خَلقُكَ وَعِبَادُكَ اور اللہ تعالیٰ کا یہ مشورہ لینا اور رائے طلب فرمانا بالکل ایسا ہے۔ جیسے اپنے نبیوں یا فرشتوں یا کسی فرد مخلوق سے کسی بات کا پوچھنا اور سوال فرمانا۔ قرآن میں بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے استفسارات و سوالات مذکور ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا۔ أوَلَم تُؤمِن اے ابراہیم کیا تو ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ بلیٰ کیوں نہیں؟ میں ضرور ایمان لایا۔ اسی طرح قیامت کے دن نبیوں سے سوال فرمائے گا۔ مَاذَا أُجِبتُم۔ اے نبیو! بتاؤ تم کیا جواب دیئے گئے؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا ءَ أنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَ أُمِّي إلٰهَينِ مِن دُونِ اللهِ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ نیز موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔ وَمَا تِلكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسىٰ۔ اے موسیٰ تمہارے دہنے ہاتھ میں کیا ہے؟

اگر مشورہ کرنا یعنی کسی کی رائے دریافت کرنا، احتیاج اور عاجزی پر منحصر ہو تو کسی بات کا پوچھنا بھی معاذ اللہ لاعلمی اور احتیاج پر مبنی ہوگا۔ لہٰذا معترض نے حدیث استشارہ کا انکار کیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے سوالات کی تمام آیات کا بھی انکار کردے۔ اور اگر سوالات میں حکمت کا قائل ہے تو استشارہ میں اسی حکمت کا کیوں انکار کرتا ہے؟

فوضح الحق حق الوضوح و لله الحجة البالغه۔

OOOOOOOOO

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

ڈاکٹر صابر سنبھلی (ریڈر)، صدر شعبہ اردو، ایم۔ ایچ (پی۔ جی) کالج۔ مراد آباد

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر نثر نگاری کی اور اردو ادب کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا۔ لیکن ابھی تک نہ تو ان کی نثر کی کمیت کا صحیح اندازہ ہو پایا ہے اور نہ کیفیت کا۔ جیسا کہ سبھی جانتے ہیں اُن کی نثر کا موضوع اوّل تا آخر دین اسلام رہا، لیکن طویل مدت تک لکھنے اور بسیار نویسی کے باعث اُن کی نثر کا اسلوب بھی ایک نہیں ہے۔ تحقیقی تحریروں کا اسلوب الگ ہے تو تنقیدی تحریروں کا الگ، فقہ کا الگ ہے تو عقائد کا الگ۔ منقولات سے کام لیتے ہیں تو انداز بیاں اور ہوتا ہے اور معقولات کا سہارا لیتے ہیں تو اور۔ فلسفے اور منطق میں نثر کا جو انداز ہے سائنسی موضوعات میں اس سے ہٹ کر ہے۔ جہاں عقلیت کی کار فرمائی ہے وہاں تحریر کا رنگ دوسرا ہے اور جہاں جذبات عشق رسول الفاظ کا جامہ پہنتے ہیں وہاں کوئی اور۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک ان اسالیب کو متعین نہیں کیا جاسکا ہے اور یہ کام ایک مضمون میں ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کے لئے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور اس کام کو ایک منصوبے کے تحت ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ شاید کوئی امام احمد رضا کی نثر کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے موضوع بنائے تو اس کام سے عہدہ بر آ ہو سکے۔

مکتوب نگاری نثر کی ہی صنف ہے۔ کہا گیا ہے کہ مکاتیب سے شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ خطوط کا اسلوب ادبی تحریروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اندازہ ہے کہ امام احمد رضا نے زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے۔ لیکن ہم تک ابھی ان کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی پہنچا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی خطوط نگاری کا علمی انداز میں جائزہ لیا جائے کیونکہ یہ بھی ان کی نثر نگاری کا ہی حصہ ہیں۔

امام احمد رضا کے مکاتیب کی تلاش ہوئی تو سننے میں آیا کہ پاکستان میں ان کا کوئی بڑا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود وہ بھارت میں دستیاب نہ ہو سکا۔ ان کے جو خطوط راقم السطور کے علم میں سب سے پہلے آئے وہ حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی سید عرفان علی بیسل پوری مرحوم کے نام لکھے گئے تھے، جو "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" مرتبہ ملک

العلماء مولانا ظفر الدین قادری بہاری کے آخر میں شامل ہیں۔ ان کی کل تعداد ۷۵ ہے جن میں سے ۴۳ ملک العلماء کے نام اور ۱۲، سید صاحب کے نام ہیں، ایک خط مولانا لعل محمد خان مدراسی کے نام اور ایک خط خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کے نام ہے۔

"اکرام امام احمد رضا" مصنفہ مولانا مولوی محمد برہان الحق جبل پوری میں اردو کے ۲۰ مکاتیب شامل ہیں۔ ان کو ملا کر تعداد ۷۸ ہو گئی۔ خواہش ہوئی کہ ایک سو (۱۰۰) خطوط دستیاب ہو جائیں تو کچھ لکھوں۔ حسن اتفاق کہ "مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی" مرتبہ مولانا محمود احمد قادری دستیاب ہو گئی۔ اس میں شامل کل مکاتیب کی تعداد ۱۰۹ ہے۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی، لیکن جب مطالعہ کیا تو مایوسی ہوئی۔ اس مجموعے میں ۹ خط "اکرام امام احمد رضا" سے نقل کیے گئے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلانا کوئی بُری بات نہیں، لیکن "حیات اعلیٰ حضرت" جلد اوّل سے ۶۵ خطوط اس میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ انہیں نکال کر تعداد ۳۵ رہ گئی۔ ان ۳۵ میں بھی ۵ خطوط جو شیخ محمد مکی کے نام لکھے گئے ہیں عربی میں ہیں۔ اگرچہ ان کا ترجمہ بھی شاملِ مجموعہ ہے، لیکن معلوم نہیں ترجمہ کس نے کیا ہے۔ اس لیے اُردو مکتوب نگاری پر لکھتے ہوئے ان کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ایک خط مولانا عبدالسلام صاحب کے نام بھی عربی میں ہے۔ ان کو نکال کر اردو مکاتیب کی تعداد کل ۲۹ رہ گئی۔ گویا جس کتاب میں ۱۰۹ خطوط شامل ہیں اس سے صرف ۲۹ خطوط کا فائدہ متصور ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل بے تکی اور اٹ پٹی معلوم ہوگی، کوئی اس کو کاتب کی غلطی بھی قرار دے سکتا ہے۔ جس کسی نے مندرجہ بالا پیراگراف کو غور سے پڑھا ہے وہ یہ سوال کر سکتا ہے کہ مولانا محمود احمد صاحب نے "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" سے ۶۵ خطوط کیسے نقل کر لیے۔ جبکہ اس کتاب میں کُل ۵۷ خطوط ہیں؟ سوال درست ہے اور جواب بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

مجموعہ "مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی" کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں صفحہ ۵۳ تا صفحہ ۷۷ "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" سے ۲۶ خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ مولانا صاحب نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ جن خطوط پر حضرت ملک العلماء نے تاریخ کا اندراج نہیں کیا تھا انہوں نے ان کی ترقیم کی تاریخیں بھی لکھ دی ہیں۔ پھر صفحہ ۱۰۳ پر ایک خط بنام حاجی محمد لعل خاں مدراسی اور صفحہ ۱۰۴۔ ۱۰۵ پر خط بنام خلیفہ تاج الدین احمد کو بھی "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" سے نقل کر دیا ہے۔ اس طرح یہ تعداد ۲۸ ہو گئی۔

اس کے بعد صفحہ ۱۵۷ پر " اضافات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری البہاری رحمت اللہ علیہ - و - مولانا عرفان علی قدس سرہ کے نام، مزید مکتوبات"

عنوان دے کر "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" سے ۲۷ خطوط کے عکس شامل کر دیئے ہیں۔
اس طرح کچھ خطوط کی تکرار ہو گئی ہے۔ مندرجہ بالا سرنامے میں لفظ "مزید" کو ذہن میں رکھئے اور خطوط کی تکرار کو دیکھئے تو یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ مولانا نے خطوط کو غور سے پڑھا بھی نہیں ہے یا ذمے داری سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مرتب مجموعہ مولانا محمود احمد صاحب قادری نے مقدمے میں (زیر عنوان تقدیم) صفحہ ۲۱ پر یہ بھی لکھا ہے کہ خطوط کی نقل پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی عنایت سے حاصل ہوئی۔ جبکہ آخری ۲۷ خطوط "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" کے خطوط کے فوٹو ہیں (صرف خطوط کے نمبر محو کر دیئے گئے ہیں) آخری خط پر تو یہ تماشا بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل" کا ترقیمہ بھی چھپ گیا ہے۔ جبکہ کتاب کا نام " مکتوباتِ امام احمد رضا محدث بریلوی " ہے۔ غالباً مرتب صاحب نے اس لطیفے پر غور ہی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ دوسرے ایڈیشن میں بھی وہ یوں ہی چھپا رہا۔ بہر حال مجموعے کے مکاتیب کو ملا کر مکاتیب کی تعداد ۱۱۷ ہو گئی۔

مضمون لکھنے کے لئے یہی خطوط کافی تھی۔ لیکن بعد میں "مکتوباتِ امام احمد رضا بریلوی " مرتبہ مولانا پیر محمود احمد قادری (غالباً مرتبِ سابقہ مجموعہ) مع "تنقیدات و تعاقبات" مرتبہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب بھی دستیاب ہو گئی، جس میں فاضل بریلوی کے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے نام لکھے ہوئے ۲۲ خطوط شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر طویل ہیں۔ ان کے علاوہ دو خط اور بھی ہیں۔ ان کو ملا کر یہ تعداد ۱۴۱ ہو گئی۔ (خطوط شماری میں کہیں غلطی ہو تو اس کے لیے معذرت خواہ ہوں اور پیشہ وار بنیوں کی طرح" بھول چوک لینی دینی" بھی لکھے دیتا ہوں۔)

ان سب خطوط پر خامہ فرسائی بھی اس ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ سبھی خطوط پر طائرانہ نظر ڈال لی ہے۔ بحث میں سارے خطوط شامل نہیں ہو سکتے۔

یہ سبھی خطوط علماء کے نام ہیں اس لیے القاب تو عالمانہ ہیں ہی انداز بیان بھی زیادہ تر عالمانہ ہی ہے۔
امام احمد رضا کو غیر عالم (غیر عربی و فارسی داں) بلکہ کم پڑھے لکھے بھی خطوط لکھتے ہوں گے اور ان کے جواب بھی دیئے جاتے ہوں گے۔ لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں۔ علماء کو تو خطوط لکھتے ہوئے ان کے علمی معیار کے پیش نظر مشکل زبان ہی استعمال کی جاتی ہو گی لیکن عوام کو لکھے گئے خطوط یقیناً سادہ اور عام زبان

میں ہوتے ہوں گے۔اس کا ثبوت بھی بعض خطوط سے ملتا ہے۔ اگر عوام کے نام لکھے ہوئے خطوط بھی دستیاب ہو جاتے تو نتائج دلچسپ ہو سکتے تھے اور امام صاحب کے مکاتیب میں متنوع اسالیب کا سراغ مل سکتا تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے دستیاب ۱۱۷ خطوط میں بھی عام فہم اور سادہ زبان میں لکھے گئے خطوط موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں طویل خط بھی ہیں مختصر بھی۔ طویل خطوط میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام ۱۲، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا مرقومہ خط ۳۴، صفحات پر اور انہیں کے نام ۲۶، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا لکھا ہوا خط ۲۱ صفحات پر محیط ہے۔ مولانا عبدالباری کو لکھے گئے خطوط میں زیادہ تر علمی بحثیں تھیں۔ اس لیے طویل ہو گئے۔ لیکن ان کے نام مختصر خطوط بھی دستیاب ہیں۔ جیسے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ ونصلی رسولہ الکریم

جناب مولانا!

تسلیم، میرے ایک نیاز نامے کو دس دن ہوئے دوسرے کو بیس، جناب تحریر فرما چکے کہ میرا دل صاف ہے پھر جواب سے اعراض کی وجہ سمجھ میں آئی نہ لکھنؤ جیسے شہر میں آپ جیسے شخص کو خط نہ پہنچنا متوقع، پھر بھی احتیاطاً دونوں کی نقل حاضر۔ بواپسی ڈاک جواب عنایت ہو۔ فقط،

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ، بقلم محرر ۱۹، شوال مکرم ۱۳۳۹ھ ۱ ۔

اس خط کا مضمون پوسٹ کارڈ کے ایک رخ پر آسکتا ہے۔ ایک اور خط کا مضمون اس سے تقریباً دگنا ہے۔ وہ پوسٹ کارڈ کے دونوں طرف آسکتا ہے۔ کچھ مختصر خطوط آگے بھی نقل ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو عربی فارسی زبانوں اور ان کی انشاء پر خاص قدرت ہوتی ہے وہ سادہ اور سہل اردو میں لکھ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے سامنے اس کی ایک مثال جناب ابوالکلام آزاد کی ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے اس مفروضے کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ سادہ اور سہل زبان لکھنے پر بھی قادر تھے۔ چند مثالیں درج ہیں۔

۱۔ "قریب تین مہینے ہوئے کہ مکان سے جدا ہوں۔ ہفتوں میں ڈاک جمع ہو کر مجھے ملتی ہے۔ آپ کے تین خط ایک ساتھ پائے۔ رسالہ "نور الفرقان بین جند الالہ وحزب الشیطان" صاف شدہ تھا۔ مصطفیٰ رضا نے دو دن تلاش کیا، نہ ملا۔ ناچار اُس کا اور "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب" کا مسودہ بھیجتا ہوں۔ بعد فراغ باحتیاط طے۔" ۲ ۔

۲- "وہابیہ خذلہم اللہ نے تین جگہ شور مچار کھا تھا۔ بھاگل پور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہو گیا۔ یہ خط اصل ہے بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لئے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہو گی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا۔ وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحان بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں۔ مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انھیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔" ۳ے

۳- "مولائے تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے۔ بعد نماز عشاء آپ ایک سو گیارہ بار "طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر" پڑھ لیا کیجئے۔ اوّل آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ ان سے فقیر کا سلام کہیے۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح و شام سوتے وقت۔ بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔" ۴ے

زیر نظر مکاتیب میں ایسے نثری ٹکڑے اور بھی ہیں۔ طوالت کے خوف سے مزید مثالیں نہیں دے رہا ہوں۔ یہ مکاتیب سلیس سادہ نثر کے نمونے ہیں۔

امام احمد رضا کے زیر نظر مکاتیب میں سلیس رنگین نثر برائے نام ہے۔ اس لیے مثالیں بھی نہیں نقل کر رہا ہوں۔ البتہ دقیق سادہ نثر کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) "فقیر کو بھی پانچ روز سے تپ آئی ہے۔ تین روز غفلت رہی۔ کل مسہل تھا۔ اب بہ برکت دعائے سامی حمد اللہ تعالیٰ بہت تخفیف ہے، البتہ دماغ و صدر پر نوازل کی کثرت ہے۔ حرارت کا بھی بقیہ ہے اور ضعف زائد۔" ۵ے

(۲) "یہ فقیر حقیر باوصف کثرت معاصی ہر آن غیر محدود و نامتناہی نعم رب اکرم عز جلالہ و سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین ۔۔۔ ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد کمر و مثانہ و سر وغیرہا امراض کالازم ہو گئے ہیں ۔۔۔ قیام و قعود، رکوع و سجود بذریعہ عصا ہے، مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ کثرتِ اعداء روز افزوں ہے اور حفظِ الٰہی تفضیلِ لا متناہی شامل حال۔" ۶ے

(۳) "مولانا! مکرما! حمد اللہ تعالیٰ یہی جان کر تو گزارش کی تھی کہ ملازمان سامی نہ صرف مومن بلکہ

عالم صافی صوفی صفی ہیں۔ اس بنا پر امید کی تھی اور ہنوز یاس نہیں کہ مذہب اہلسنت کے ضرر پسند نہ فرمائیں گے۔ آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے تو غور نہ فرمایا۔ یا غور فرمایا تو انہیں تحریراتِ کتب و مضامینِ ندوہ سے نہ ملایا۔ ورنہ آپ جیسے فضلاء پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔ " ۷ ؎

زیرِ نظر مجموعوں میں دقیق رنگین نثر بھی کم ہے، لیکن معدوم نہیں ہے۔ ایک اقتباس نقل ہے۔

" میرے عوام بھائی، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ان ذئاب فی ثیاب کہ جبّوں عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں، قال اللہ و قال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکارِ گرگانِ خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔" ۸ ؎

امام احمد رضا کے مکاتیب میں روانی اس قدر ہے کہ پڑھتے وقت نہ کہیں نظر رکتی ہے نہ شعور کو دھچکا لگتا ہے۔ بالکل وہی انداز ہے جو فتاوی اور عقائد کی کتب میں ہے۔ روانی کے لحاظ سے امام صاحب کی عالمانہ تحریروں (بلکہ کتابی تحریریں کہنا چاہیے، کیونکہ علم و عرفان کے دریا تو ان کے مکاتیب میں بھی بہائے گئے ہیں) اور ان مکاتیب میں کوئی فرق نہیں۔ ہر جملہ اپنے اگلے پچھلے جملوں سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ بسا اوقات جملہ ختم ہونے اور شروع ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ راقم السطور کی نظر میں کسی بھی نثر کی یہ بڑی خوبی ہے۔ ورنہ حروف عطف کے استعمال میں اچھوں اچھوں کو ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے۔

مکاتیب کی نثری خاصیت کے ذیل میں اب تک جو اقتباسات نقل ہوئے ہیں وہ سب عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ سنجیدہ بھی ہیں۔ لیکن حضرت امام احمد رضا بڑا اچھا مزاح بھی فرما لیتے تھے۔ فقہی اور تردیدی تحریروں میں تو اس کے نمونے ملتے ہی ہیں، بعض خطوط میں بھی انہوں نے لطیف مزاح فرمایا ہے۔ تین نمونے حاضر کر رہا ہوں۔

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے بھتیجے مولوی عبداللہ فرنگی محلی نے کسی خط میں (جو "ہمدم" میں چھپا تھا) لکھا تھا۔ "یاد رکھو اگر کسی میں ۹۹ آثار کفر ہیں اور ایک اثر ایمان ہے تو احناف کے نزدیک وہ شخص ضرور مسلمان کہا جائے گا۔" اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" کیا حنفیہ کرام کا معاذ اللہ یہی مذہب ہے کہ ہمیشہ دن میں ۹۹ بار مہادیو کے آگے گھنٹی بجایا کرے اور کسی وقت دو رکعت نماز بھی پڑھ لیا کرے۔ اُسے ضرور مسلمان کہا جائے گا۔" ۹ ؎

(۲) "لوگ جناب کو باری میاں سے تعبیر جناب کے پیچھے کرتے ہیں، جناب کے منہ پر کرتے ہیں جناب

انکار نہیں فرماتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باری میاں کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے ہیں۔ عبدالباری سے باری ہو گئے۔ وہ جُہال اگر اپنے جہل کے سبب معذور ہوں، جناب تو اپنے منہ بہت بڑے مجدد مدراس ہیں۔ آپ کے لئے سوا اپنی الوہیت تسلیم کرنے کے اور کیا محمل ہے۔ باری یقیناً اسمائے حسنیٰ سے بمعنی خالق کُل ہے۔ بھلے سے اسم شریف عبداللہ نہ ہوا ورنہ اللہ میاں کہلواتے اور اُس پر بولتے۔"

۱۰

(۳) "سولہویں گلی سنجر گانہ تقالی۔ بعض کمسن بچوں میں طرف مقابل کو عاجز کرنے کا ایک طریقہ معمول ہے۔ جسے وہ بدانوں کی کہانی کہتے ہیں کہ فریق جو کچھ کہے وہی لوٹ کر کہہ دیا جائے مثلاً الف کی دونوں آنکھیں ہیں اور عین کانا۔ الف کسی بات پر ع سے کہتا ہے 'تو کانا ہے' ع 'تو کانا ہے' الف 'میری تو دونوں آنکھیں ہیں۔" ع "میری تو دونوں آنکھیں ہیں" الف "تو جھوٹا ہے" ع "تو جھوٹا ہے"۔ الف "جس سے چاہے پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا"۔ ع " جس سے چاہے پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا"۔ الف "سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے"۔ ع "سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے"۔ الف "مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی اُلٹ دیتا ہے"۔ ع "مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی اُلٹ دیتا ہے"۔ آخر الف کو ہی کہ سراسر حق پر ہے چپ رہنا پڑتا ہے اور اس کانے کے چھپنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ اس نے وہ سلسلہ نکالا ہے جسے انتہا نہیں۔ جناب یہی طریقہ میرے ساتھ برتنا چاہتے ہیں۔" ۱۱

ان خطوط میں روانی کے علاوہ دوسری خوبی قوتِ استدلال کا موجود ہونا ہے۔ چونکہ خطوط طویل ہیں اور ان میں کثرت کے ساتھ علمی مباحث ہیں اس لیے ہر جگہ بیشتر عقلی اور کمتر نقلی دلائل کا زور ہے۔ اگر نقلی دلائل کی فراوانی ہوتی تو یہ خطوط، خطوط نہ ہو کر مضامین کے قریب ہو جاتے۔ اب یہ اسلئے بھی مضامین نہیں ہیں کہ ان میں ہر جگہ مکتوب الیہم موجود ہیں۔ "غبار خاطر" کی طرح ایسا نہیں ہے کہ "صدیق مکرم" کے بعد (ایک دو جگہ کو چھوڑ کر) جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں مکتوب الیہ کا کوئی حصہ ہی نہ ہو۔

استدلالی انداز کی فراوانی کے باوجود مثالیں اس لیے نہیں نقل کر رہا ہوں کہ مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مثالیں دی بھی جائیں تو سیاق و سباق کے بغیر بات نہیں بنے گی اور سیاق و سباق کے اندراجات کے بعد طویل استدلالوں کا نقل کرنا مضمون کے حجم کو بڑھانا ہی ہوگا۔ ایک دو مثال بھی کافی طوالت کا باعث ہو جائے گی۔ یوں بھی مضمون میں اقتباسات بہت نقل ہو چکے ہیں۔

نثر کی اہم خصوصیت تاثیر بھی ہے۔ جو مکتوب لکھے گئے ان کا مکتوب الیہم پر کیا اثر ہوا۔ یہ تو تحقیق

کا موضوع ہے۔ جو باتیں معلوم ہیں اُن سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ اثر خاطر خواہ ہوا۔ تاثیر کی مثال کے لیے صرف ایک خط نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا سید عرفان علی بیسل پوری مرحوم کے صاحب زادے کی وفات پر تعزیت کا خط لکھتے ہیں۔

"اللہ کا ہے جو اُس نے لیا اور اُسی کا ہے جو اُس نے دیا اور ہر چیز کی اُس کے یہاں عمر مقرر ہے۔ اس سے کمی بیشی نا متصور ہے۔ بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آسکتی۔ ہاں! اللہ کا ثواب جاتا ہے، جو ہر چیز سے اعز و اعلیٰ ہے اور محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ صحیح حدیث میں ہے جب فرشتے مسلمان کے بچے کی روح قبض کر کے حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، مولا عزوجل فرماتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے۔ کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟ عرض کرتے ہیں ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے، تم نے دل کا پھل توڑ لیا؟ عرض کرتے ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے پھر اُس نے کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا۔ فرماتا ہے گواہ رہو، میں نے اُسے بخش دیا اور جنت میں اُس کے لیے مکان تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے تین بچے نابالغی میں مر جائیں آتش دوزخ سے اُس کے لیے حجاب ہو جائیں گے۔ کسی نے عرض کیا اگر دو مرے ہوں۔ فرمایا دو بھی۔ ام المؤمنین صدیقہ نے عرض کی، اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو۔ فرمایا ایک بھی۔ اُسے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔۔۔۔۔۔"

طوالت کے خوف سے خط پورا نقل نہیں کیا ہے۔ آگے بھی صبر کی تلقین ہے۔ ایسے تعزیت نامے کو پڑھ کر کس کا دُکھی دل قرار نہ پائے گا۔ دیگر تعزیت ناموں میں بھی ان باتوں کا ذکر ہے۔ یہاں غور طلب یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر تسلی اور تسکین کے لیے اور کون سے کلمات ہو سکتے ہیں۔ شاید ہی کسی نے اس سے زیادہ پُر تاثیر تعزیت نامہ لکھا ہو اور اگر لکھا بھی ہو گا تو یہی باتیں ہوں گی۔ ان کلمات کے علاوہ دیگر کلمات کسی مسلمان کے زخمی دل پر ایسا کار مرہم نہیں کر سکتے جیسا یہ کلمات کرتے ہیں۔

مکاتیب کاروباری نثر میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کے مکاتیب کا بڑا حصہ خالص علمی یا استدلالی نثر میں لکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ امام صاحب کے زیادہ سے زیادہ خطوط کو جمع کر کے شائع کرلیا جائے۔ ان میں نہ جانے کتنے علوم و معارف کے خزانے پوشیدہ ہوں گے۔

حواشی :

۱- مکتوبات امام احمد رضا بریلوی مع تنقیدات و تعاقبات ۔ ص ۲۰۸۔

۲- مکتوب بنام حضرت ملک العلماء مرقومہ ۱۴، صفر المظفر ۳۵ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل، ص ۲۷۳، مکتوب نمبر ۲۰۔

۳- مکتوب بنام حضرت ملک العلماء مرقومہ ۸، رجب ۳۶ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل ص ۲۷۴، مکتوب نمبر ۲۱۔

۴- مکتوب بنام سید عرفان علی بیسل پوری مرقومہ ۲۵ ذی الحجہ ۲۹ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل ص ۳۱۲، مکتوب نمبر ۴۔

۵- مکتوب بنام مولانا شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری، مرقومہ ۴ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ، مشمولہ اکرام امام احمد رضا، مصنفہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، طبع دوم، ناشر مجلس علماء مظفر پور، ص ۹۳۔

۶- ایضاً۔ ص ۱۲۸

۷- مکتوب بنام مولانا محمد علی مونگیری، مرقومہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ مرتبہ مولانا محمود احمد قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور۔ طبع دوم، اگست ۱۹۹۰ء ص ۹۰

۸- مکتوب بنام مولوی اشرف علی تھانوی۔ مرقومہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ، مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ ص ۱۱۵۔

۹- مکتوب بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرقومہ ۱۲، ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ ص ۲۲۰۔۲۲۱۔

۱۰- مکتوب بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرقومہ دوم ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ۔ مشمولہ ایضاً۔ ص ۲۸۲۔۲۸۳

۱۱- بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرقومہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ ایضاً ص ۲۹۴۔

۱۲- مکتوب مرقومہ ۲۰ ذی القعدہ۔ ۳۶ھ، مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اوّل ص ۳۰۸۔۳۰۹

OOOOOOOO

بیسویں صدی کا عظیم انسان

تحریر: ڈاکٹر محمد مالک (ایم بی بی ایس) ڈیرہ غازی خان۔ پاکستان

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صدی میں ایسے لوگوں کو ضرور پیدا فرمایا جنہیں دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال کیا۔ بعض علم و حکمت کا آفتاب بن کر چمکے بعض روحانیات میں منتہائے کمال کو پہنچے، بعض نے سائنسی ایجادات سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالا۔ اسی تابندہ افق کے ایک اور روشن آفتاب علم و حکمت، روحانیت و سائنسی کمالات اور علوم و فنون کا بحر بیکراں بیسویں صدی کا عظیم انسان سیدنا اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں تاریخی کردار ادا کیا اور عشق رسول ﷺ کی روشنی میں ملت کی علمی، فکری اور روحانی تربیت کرتے ہوئے عظیم انقلاب برپا کیا۔ تعلیمی و سائنسی تحقیقات اور دینی و تجدیدی خدمات کا ایک ایسا بے مثال اور اعلیٰ معیار پیش کیا کہ اسلاف کی یاد تازہ ہو جائے۔ بقول مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم:

"امام احمد رضا کی شخصیت میں بیک وقت کئی سائنسداں گم تھے۔ ایک طرف ان میں ابوالہیثم جیسی فکری بصارت اور علمی روشنی تھی۔ تو دوسری طرف جابر بن حیان جیسی صلاحیت، الخوارزمی اور یعقوب الکندی جیسی کہنہ مشقی تھی۔ اگر ایک طرف الطبری، الفارابی، رازی اور بو علی سینا جیسی دانشمندی۔ البیرونی، عمر بن خیام، امام غزالی، ابن الرشد جیسی خداداد ذہانت تھی تو دوسری طرف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے فقیہانہ وسیع النظری اور غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی وابستگی اور لگاؤ کے تحت اعلیٰ ظرفی۔ الغرض! امام احمد رضا کا ہر رخ ایک مستقل علم و فن کا موضوع ہے۔ ان کی ذات میں نہ جانے کتنے علم و عالم گم تھے۔ وہ ایک ہمہ گیر صفت انسان تھے۔"

علوم و فنون کا خورشیدِ تاباں بیک وقت مفسر، محدث، فقیہہ، مترجم، مصلح، شیخ طریقت، منفرد نعت گو شاعر، عظیم فلاسفر، ماہر اقتصادیات، ماہر تعلیم، ماہر نفسیات، سیاستداں، سائنسداں، مجدد اسلام، الحاصل اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے جن کی زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین اور خدمت انسانیت میں گزرا۔

عالم اسلام میں بہت کم ایسی شخصیات دیکھی گئی ہیں جنہیں تقریباً پوری دنیا کے دانشور حضرات نے خراج تحسین پیش کیا۔ حتی کہ حرمین شریفین کے علماء و فقہاء نے انہیں اپنا پیشوا اور رہنما سمجھا۔ یہ

اعزاز اس وقت نکتۂ کمال کو پہنچا جب حرم پاک کے مفتی، خانہ کعبہ کے امام حضرت عبداللہ میر داد علیہ الرحمہ نے ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ظاہر ہے ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے کردار و عمل کی نسبت سے اس صدی کا انتساب بھی انہی کی طرف ہونے لگتا ہے۔ MAN OF THE CENTURY

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی دینی و تجدیدی اور سائنسی و تحقیقی خدمات کا احاطہ ممکن نہیں تاہم خدمات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ جس سے عالم اسلام کا سر فخر سے بلند ہے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے یک صد سے زائد علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں جن میں ایک تصنیف "فتاویٰ رضویہ" بارہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور جس کی جدید انداز میں تخریج و حواشی سے مزین ۱۶ جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور انشاء اللہ ابھی تقریباً اتنی ہی مزید شائع ہوں گی۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے علوم دینیہ کے علاوہ علومِ جدیدہ مثلاً فزکس، کیمسٹری، بائیلوجی، سائیکالوجی، فارمیسی اینڈ فارماکالوجی، اسٹرانومی، ٹوپولوجی، فونولوجی، اسٹرالوجی، انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، ہائڈروڈائنامکس، ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، لوگارتھم، ٹیلی کمیونی کیشن سسٹم، فیکس اور انٹرنیٹ کمپیوٹر کے بنیادی نظام وغیرہ پر تصانیف تحریر کر کے دانشوروں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے ۱۹۰۶ء میں کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت اور بلا سود بینکاری نظام کا خاکہ پیش کر کے رہبر عالم اسلام کا اعزاز حاصل کیا۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے ۱۹۱۲ء میں بر صغیر میں روزگار اور آمدنی کا فارمولا پیش کر کے ماہر اقتصادیات۔ برطانیہ مسٹر جے۔ ایم۔ کینز پر سبقت حاصل کر لی۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے علم ریاضی میں ۴۷ کتابیں لکھیں۔ ۸، سال کی عمر میں پہلی عربی تصنیف "ھدایۃ النحو" کی شرح لکھی۔ اور جس نے صرف ایک ماہ میں ۶۳ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے نیوٹن، آئن اسٹائن، کوپرنیکس، گیلیلیو، ہرشل، البرٹ ایف پورٹا وغیرہ کے نظریۂ بر حرکت زمین پر گرفت کی ہے۔ جسے معروف سائنسداں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کھلے دل سے سراہا ہے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے اشیاءِ تیمم کی تحقیق، حکمِ شرعی کی درجہ بندی، پائی π کی قیمت 3.14159265 ، مساوات درجہ سوم کے عددی حل جیسی تخلیقی و تحقیقی ایجادات سے دنیا کو محوِ حیرت کر دیا۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے نظریۂ سماعت، نظریۂ تموّج، نظریۂ آواز، نظریۂ ایٹم نظریۂ مدوجزر، نظریۂ جذام (غیر متعدی) اور سائنسی ایجاد الٹرا ساؤنڈ مشین کو فزکس کے قوانینِ انعکاس نور و انعطافِ نور کی بنیاد پر فارمولیٹ کرتے ہوئے اس تخلیقی ایجاد کا اعزاز حاصل کیا۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے میڈیکل سائنس مثلاً جذام، طاعون، فزیالوجی، اسمبریالوجی، سیل بیالوجی، جینٹکس (Evolution theory of Human being) پر کتابیں تحریر کر کے مسلمانوں کا علمی وقار حال رکھا ہے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے ۱۹۲۱ء سے پہلے نظریۂ شخصیت پیش کر کے تعمیر شخصیت اور تشکیلِ ذات کے حوالے سے ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ پر سبقت حاصل کر لی ہے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے شاعری میں بحریں اور اوزان کا وافر استعمال کر کے مرزا غالبؔ دہلوی، میر تقی میرؔ اور داغؔ دہلوی پر ایک گونہ سبقت حاصل کر لی ہے۔ (۱۱ بحروں کے ۲۹ اوزان) اور اُردو ادب میں صنفِ نعت کو فروغ بخشا اور اس کی روایات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس نے دورِ حاضر کے پیچیدہ مسائل مثلاً انسان چاند اور مریخ پر جا سکتا ہے یا نہیں اور ماں کے پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا وغیرہ معاملات میں واضح نظریات پیش کیے۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" جس کی بلند قامت علمی شخصیت کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جا رہا ہے۔ اور جس کے علمی کارناموں پر یونیورسٹیاں (ملکی اور غیر ملکی مثلاً جامعہ ازھر مصر، کولمبیا یونیورسٹی امریکہ، بمبئی یونیورسٹی، کانپور یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، روہیل کھنڈ یونیورسٹی، کراچی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان وغیرہ) ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں دے کر اپنا علمی وقار بلند کر رہی ہیں۔

☆...... "بیسویں صدی کا وہ عظیم انسان" امام احمد رضا خاں جس نے ملتِ اسلامیہ کی بروقت رہنمائی فرمائی اور انگریز اور ہندو سامراج کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بر صغیر کو آزادی کی جانب گامزن کیا۔

مزید تفصیلات کیلئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

○ کنزالایمان (ترجمۂ قرآن)

○ فتاویٰ رضویہ (فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا)

○ حدائق بخشش (نعتیہ کلام)

○ المحجة الموتمنه فی آیة الممتحنه ۱۹۲۰ء (پالیٹیکل سائنس)

○ فتاویٰ رضویہ جلد دہم (نظام تعلیم، نصاب تعلیم، نفسیات)

○ الدولة المکیه بالمادة الغیبیه ۱۹۰۶ء

علوم سائنس پر اعلیٰ حضرت کی معروف کتابیں:

☆ نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان ۱۹۱۹ء

☆ معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین ۱۹۱۹ء (Astronomy)

☆ فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۹۱۹ء (Eeart is static, Physics)

☆ الکلمة الملہمه فی الحکمة المحکمه ۱۹۱۹ء (Atomic Theory)

☆ الکشف الشافیه حکم فونو جرافیا ۱۹۱۹ء (Modern Communication System)

☆ الصمصام علی مشکک فی آیه علوم الارحام ۱۸۹۶ء (Medical Embryology)

☆ مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید ۱۸۸۶ء (Medical Physiology)

☆ الحق المجتلی فی حکم المبتلی (Medical Science, Leprosy)

☆ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت

☆ کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم ۱۹۰۶ء (Economics, Currency Notes)

☆ رسالۂ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح ۱۹۱۲ء (Economics, Banking & Business)

☆ الدقه والتبیان لعلم رقت والسیلان ۱۳۳۴ھ (Hydrodynamics)

☆ الاحلی من السکر لطلبه سکر روسر ۱۳۰۳ھ (Applied Chemistry)

الغرض! "بیسویں صدی کا عظیم انسان" اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی جو دنیائے اسلام کا وہ عظیم دانائے راز تھا جس نے سیاسیات، معاشیات اور معیشت کو درست منہاج پر چلانے کی ترغیب دی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اتحاد بین المسلمین کا درس دیا۔ اور جس کے چھوڑے ہوئے علمی و فکری خزانے سے تشنگانِ علم ہمیشہ فیضیاب ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

امام احمد رضا اور ابطالِ قلوب

از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری۔ کراچی۔ پاکستان

قلب (Heart) انسانی جسم کا ایک اہم عضو ہے جو دونوں پھیپڑوں کے درمیان مخروطی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ سینے میں سامنے کی طرف اس طرح ترچھا ہوتا ہے کہ اس کا ایک تہائی حصہ خطِ وسطی سے دائیں جانب اور بقیہ دو تہائی حصہ بائیں جانب ہوتا ہے۔......۱ ـ

قلب کی جسامت مٹھی (Fist) کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا طول تقریباً بارہ (۱۲) سینٹی میٹر، چوڑائی نو (۹) سینٹی میٹر اور موٹائی عام طور پر چھ (۶) سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ اس کا وزن مردوں میں تین سو گرام اور عورتوں میں ڈھائی سو گرام تک ہوتا ہے۔......۲ ـ

انسانی جسم میں قلب کے دو اہم کام ہیں اور ان ہی دو کاموں پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔

۱۔ انسانی جسم کے نظامِ دورانِ خون میں قلب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جو اپنی انقباضی قوت (Contraction Force) کے ذریعہ خون کو عروق (Vessels) میں رواں رکھتا ہے۔

۲۔ انسانی اعضاء کے افعال اور ان کو کسی بھی کام کے انجام دینے کیلئے قوت ارادہ فراہم کرنا۔

آج کا زمانہ عجائب کا زمانہ ہے۔ روزانہ نت نئے عجائبات کا ذکر ہم سنتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک عجوبہ یہ بھی ہے کہ کسی انسان کے دو قلوب (Hearts) ہوں۔

۱۳۲۵ھ کی بات ہے کسی نے حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے سوال (......۳ ـ) کیا کہ حال ہی میں دو ایسے اشخاص پائے گئے ہیں جن کے دو دو دل ہیں اور ڈاکٹروں نے اپنے طور پر تحقیق کر کے اس بات کی تصدیق بھی کر دی ہے کہ ان کے دو دل ہیں جبکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ ......۴ ـ

"اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں رکھے"

لیکن دوسری جگہ یہ بھی فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ......۵ ـ

"وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے"

اس کے جواب میں امام احمد رضا نے قرآن و حدیث کے علاوہ جو عقلی دلائل پیش فرمائے ہیں اور جس احسن انداز سے ابطالِ قلوب فرمایا ہے یہ انہی کا خاص حصہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"قلب وہ عضو ہے کہ سلطانِ اقلیم بدن و محل عقل و فہم و منشاء قصد و اختیار و رضا و انکار ہے۔ ایک شخص کے دو دِل نہیں ہو سکتے۔

آیۂ کریمہ (حوالہ نمبر ۴) میں "رجل" نکرہ ہے اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم و استغراق ہے یعنی اللہ تعالیٰ عزّ و جل نے کسی کے دو دِل نہ بنائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"بدن میں ایک پارہ گوشت ہے کہ وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سنتے ہو وہ دِل ہے۔"

تو اگر کسی کے دو دِل ہوں، ان میں ایک ٹھیک رہے اور ایک بگڑ جائے، تو معا چاہیے کہ ایک آن میں سارا بدن بگڑ جائے اور ایک آن میں سارا بدن سنبھل جائے دونوں ایک ساتھ ہوں، یہ محال ہے۔۔ جب دو دِل ہوں، ایک نے ارادہ کیا یہ کام کیجئے اور دوسرے نے ارادہ کیا یہ کام نہ کیجئے تو اب بدن ایک کی اطاعت کرے گا یا دونوں کی، یا کسی کی نہیں...... ! ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت محال ہے اور دونوں میں سے کسی کی اطاعت نہ ہو تو ان میں سے کوئی بھی قلب نہیں کہ قلب تو وہی ہے کہ بدن اسی کے ارادے سے حرکت و سکون کرتا ہے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک کی اطاعت کرے گا دوسرے کی نہیں تو جس کی اطاعت کرے گا وہی قلب ہے اور دوسرا "بد گوشت" ہے جو کہ بدن میں قلب کی صورت پر پیدا ہو گیا، جیسے کسی کے پنجے میں چھ انگلیاں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں، ان میں جو کام دیتا ہے اور اپنے صحیح مقام پر ہے، وہی ہاتھ ہے جبکہ دوسرا "بد گوشت" ہے (جو ہاتھ کی صورت پر جسم میں پیدا ہو گیا)...... دو دِل کی تحقیق کے سلسلے میں اگر ڈاکٹروں کا بیان سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہو گی کہ بدن میں ایک "بد گوشت" بصورتِ دل زیادہ پیدا ہو گیا ہو گا۔ ہاتھ میں تو یہ ہو سکتا ہے کہ اصلی اور زائد دونوں ہاتھ کام دیں، مگر قلب میں یہ نا ممکن ہے۔ آدمی، روحِ انسانی سے آدمی ہے اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے، روحِ انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دِل میں رہے اور آدھی دوسرے دل میں رہے۔ معلوم ہوا کہ جس سے وہ اصالۃً متعلق ہو گی، وہی قلب ہے دوسر اسلب ہے۔

آیۂ کریمہ میں "يصوّركم في الارحام كيف يشاء" فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں

تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی وہ چاہے، یہ نہیں فرمایا کہ جیسی تم چاہو، اور اپنے خیالات میں گڑھو، ویسی ہی تصویر بنادے۔ یہ محض باطل ہے۔

اور رب تعالیٰ نے اپنی مشیّت خود ارشاد فرمادی کہ اس نے کسی کے اندر دو دل نہ رکھے، تو اس کے خلافِ تصویر بھی نہ ہوگی۔......۶۔

نوٹ: ایکسرے، الٹراساؤنڈ اور علومِ ارحام سے متعلق امام احمد رضا کی تحقیقاتِ نادرہ جاننے کیلئے امام احمد رضا کے درج ذیل رسالہ سے رجوع فرمائیں۔

"الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام" (۱۳۱۵ھ)

حوالہ جات

۱۔ محمد سعید، حکیم، حسیم الدین، حکیم، نعیم الدین، حکیم: کتاب الابدان جلد اوّل مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء صفحہ ۲۴۷

۲۔ ایضاً

۳۔ احمد رضا، مولانا: فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم، مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۹۴

۴۔ قرآن حکیم، ۳۳ ـ ۴

۵۔ قرآن حکیم، ۳ ـ ۶

۶۔ احمد رضا، مولانا: فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۹۵

صرف امام احمد رضا پر ہی الزام کیوں؟

ڈاکٹر محمد مرسلین۔ ایم۔ اے۔ ناگپور

حضور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذاتِ گرامی تعارف کی محتاج نہیں۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی نئے مسلک یا کسی نئے فرقے کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ علماء متقدمین و علماء حق کے اقوال و مسلک کو جمع کر کے اپنی تصانیف میں جگہ دی اور لوگوں کے سامنے ان بزرگانِ دین کے عقائد و اعمال کو رکھ دیا کہ اے لوگوں یہ وہ اعمال ہیں جو کہ حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور سے آج تک بزرگانِ دین کرتے چلے آرہے ہیں اور ان اعمال سے ان کو فیض بھی حاصل ہوتا رہا ہے۔ اگر یہ اعمال بدعت یا شرک ہوتے تو انہیں فیض کبھی بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اب ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ان بزرگانِ دین کے اعمال صحیح ہیں یا ان وہابیوں، دیوبندیوں کے اقوال۔ فاضل بریلوی نے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا دلائل کے انبار لگا دیئے۔ اسی لئے فاضل بریلوی کی تمام تصانیف آج تک لاجواب ہیں۔ یعنی کہ آج جو لوگ فاضل بریلوی پر بدعتی اور مشرک ہونے کا الزام لگاتے ہیں پہلے وہ ان بزرگانِ دین پر فتاویٰ صادر کریں جنکے اقوال فاضل بریلوی نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ فاضل بریلوی کی کتابوں میں امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر عسقلانی، امام فخر الدین رازی، علامہ زرقانی، شاہ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، ملا علی قاری، سیدنا امام غزالی، سیدنا غوث اعظم، علامہ شامی، ابن عساکر، امام بیہقی، امام اشعری اور امام سخاوی ان کے علاوہ ایسے بہت سے جلیل القدر علماء دین کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں۔ میری نظر میں یہ مخالفین کی کم علمی اور کم عقلی ہے کہ ان کی نگاہ اب تک بزرگانِ دین کی ان تصانیف پر نہیں پڑی جس کی عبارتیں حضرت فاضل بریلوی نے اپنی تصانیف میں نقل کی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں سے ایسی چند عبارتیں مختصراً پیش کی جارہی ہیں جس سے امام اہل سنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا بے قصور ہونا ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی نئے عقائد کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ علماء متقدمین کے اقوال جمع کئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ہر عقیدہ کو قرآن و حدیث کے روشن دلائل سے ثابت کیا ہے مگر یہاں صرف علماء حق کے عقائد کے اقوال پیش کئے جارہے ہیں۔

(۱) اختیاراتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم): ۔امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے

ہیں۔ "من خصائصه صلی اللّٰه علیه وسلم انّهُ کانَ یَخصُ مَن شاءَ بماشاءَ مِن الاَحکَامِ" سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔ علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا (من الاحکام) وغیرہا کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں حضور جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ایک باب وضع فرمایا۔ ترجمہ :۔ باب اس بیان کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرما دیں۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "امام قسطلانی نے اس کی نظیر میں پانچ واقعے ذکر کیے اور امام سیوطی نے دس۔ پانچ وہ اور پانچ اور۔ فقیر نے ان زیادات سے تین واقعے ترک کردیے اور پندرہ اور بڑھائے اور ان کی احادیث بتوفیق اللہ تعالیٰ جمع کیں کہ جملہ بائیس واقعے ہوئے۔ وللہ الحمد ان کی تفصیل اور ہر واقع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے احادیث سے دلیلیں دی ہیں۔

(الامن والعلی صفحہ ۱۷۴۔۱۷۵)

(۲) دافع البلاو حل المشکلات :۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مکتوب میں نفس زکیہ قیم طریقۂ احمدیہ داعی سنت نبویہ میں لکھتے ہیں۔ "دعائے حزب البحر صبح و شام کا وظیفہ اور حضرت خواجگان قدس اللہ اسرارہم کا ختم شریف مشکلات کے حل کیلئے ہر روز پڑھنا چاہیے۔" یہی شاہ صاحب اپنے قصیدۂ نعتیہ اطیب النغم میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ :۔ "ہمیں نظر نہیں آتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مصیبت کے وقت غم خواری فرماتے ہیں۔ پھر کہا، حضور قیامت کے دن خوف زدوں اور خوف سے بھاگنے والوں کی جائے پناہ ہیں۔ پھر کہا۔ زمانہ حوادث کے ہجوم کے وقت لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ پھر کہا۔ اے خلق خدا میں بہترین اے بہترین عطا کرنے والے اور مصیبت کے وقت امیدوار کی مصیبت ٹالنے والے پھر کہا۔ آپ مصیبتوں کے ہجوم سے پناہ دینے والے ہیں۔ (الامن والعلی صفحہ ۵۰۔۵۱۔۵۲)

(۳) انگوٹھے چومنے کا مسئلہ :۔ علامہ امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ دیلمی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "جب مؤذن کو اشہد انّ محمدا رسول اللہ کہتے سنا تو یہ ہی کہا (قرۃ عینی بك یارسول اللّٰه) اور انگشتان شہادت کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اس پیارے دوست کی طرح کریگا میری شفاعت اس کے لئے حلال ہوگی۔ (المقاصد الحسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ) اور آگے یہی امام

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل کرتے ہیں کہ جو اس طرح کا عمل کرکے انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ اور آگے لکھتے ہیں، جب سے میں یہ عمل کرتا ہوں آج تک میری آنکھیں نہ دکھی ہیں اور نہ انشاء اللہ دکھیں گی۔

(المقاصد الحسنہ۔۔)

مگر مخالفین حضرت ابوبکر صدیق کے اس عمل کو موقوف اور ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت۔ اسی طرح علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار شرح درمختار صفحہ ۲۷۰ میں۔ رئیس الفقہاء الحنفیہ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مراقی الفلاح میں، علامہ امام قہستانی رحمۃ اللہ علیہ شرح الکبیر میں، حضرت مولانا جمال الدین عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ اور حضرت نورالدین الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں بیمار ہوگئی۔ پھر بعد میں یہ عمل شروع کیا تو میری آنکھیں درست ہوگئی۔ اسی طرح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں اور دیگر مستند علماء کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں اسطرح کے سیکڑوں دلائل لفظوں کی کمی وبیشی سے قلم بند کیے ہیں۔ مگر اس کے خلاف مخالفین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اگر یہ عمل واقعی بدعت ہے تو پہلے ان تمام علماء کرام پر بدعتی ہونے کا فتاویٰ لگائے اسکے بعد فاضل بریلوی کی ذات پر انگلی اٹھائیں۔

(۴) حیات انبیاء واولیاء :- اس تعلق سے بے شمار احادیث آئی ہیں مگر یہاں علماء سلف وخلف کے ارشادات پیش کئے جارہے ہیں۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا شریف جلد ۲ صفحہ ۴۹۹ میں فرماتے ہیں کہ...... معتمد عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اور ان کی روح مقدسہ کا دنیا اور عالم بالا سے تعلق ہے جیسے دنیاوی زندگی میں تھا۔ وہ قلب کے اعتبار سے عرشی ہیں اور جسمانی طور پر زمین پر تشریف فرما ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روح کو اپنے جسم کی صورت میں قائم کرسکتے ہیں اسی طرح نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء (علیہم السلام) کو (حقیقی) موت نہیں آتی وہ اپنی قبروں میں ہوتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں حج کرتے ہیں اور زندہ ہیں وغیر ذالک۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مدارج النبوۃ (جلد ۱ صفحہ ۲۵۶) میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو زمین کے نہ کھانے سے ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حیات طیبہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ حیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر وفات کی عدت نہیں۔ اور دیوبند کے مشہور عالم مولوی زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں کہ "علامہ قسطلانی (رحمۃ اللہ علیہ) مواہب میں لکھتے ہیں کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہئے جو زندگی میں تھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اسی طرح کے واقعات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں۔ امام جلالالدین سیوطی رحمۃ علیہ الحاوی للفتاوی میں، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ شفاء السقام میں ،امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں، علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ شواھد النبوۃ میں، علامہ زرقانی، امام سبکی اور ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تصانیف میں اور متعدد علماء دین نے اس طرح کے واقعات اپنی تصانیف میں نقل کئے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حق سننے اور حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) عبد المصطفیٰ لکھنا :-وہابیہ کے امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پردادا جناب شاہ ولی صاحب محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں حوالہ ابو حنیفہ و کتاب الریاض النضرہ لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی کہ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جمع فرما کر علانیہ بر سر منبر فرمایا۔ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں حضور کا بندہ تھا اور حضور کا خدمت گار تھا۔ (احکام شریعت صفحہ ۲۱۳)

(۶) اذان کے بعد صلوٰۃ پڑھنا :-اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ بعد اذان مستحسن ہے ساڑھے پانچ سو برس ہوئے بلاد اسلام حرمین شریفین و مصر و شام وغیرہ میں جاری ہے۔ درمختار میں ہے۔ "اور اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنا ۷۸۱ھ کے ماہ ربیع الآخر میں رائج ہوا پیر کی رات میں، عشاء کی نماز میں، پھر جمعہ کے دن پھر دس (۱۰) سال کے بعد "تمام نمازوں میں سوائے مغرب کے، پھر مغرب میں بھی اور وہ بدعت حسنہ ہے۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اور صحیح یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ ہے اور اجر ملے گا اس کے کرنے والوں کو۔ (احکام شریعت صفحہ ۱۱۸)

(۷) وسیلہ وشفاعت :- امام اجل یکتا ابوالحسن علی قدس سرہ نے بہجۃ الاسرار شریف میں اور دیگر اکابر ائمہ وعلماء نے اپنی تصانیف میں روایت کئے ہیں کہ "حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کیلئے دعا کرو تو میرا وسیلہ لے کر دعا مانگو اور فرماتے ہیں جو کسی بے چینی میں مجھ سے فریاد کرے اس کی بے چینی دور ہو اور کسی سختی میں میرا نام لیکر پکارے وہ سختی زائل ہو (فتاوی افریقہ صفحہ ۶۲)۔ علامہ نورالدین جامی علیہ الرحمہ نفحات الانس شریف میں حضرت مولوی معنوی قدس سرہ القوی سے نقل کرتے ہیں کہ "ہر حال میں مجھے یاد کرو کہ میں ہر لباس میں تمھاری مدد کروں گا۔"

امام اجل ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں "منکر شفاعت کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی اسلئے کہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح فتاوی خلاصہ وبحرائق وغیرہا میں ہے فتاوی تاتارخانیہ پھر طریقہ محمدیہ میں ہے "قیامت میں شفیعوں کی شفاعت کا منکر کافر ہے زید پر فرض ہے کہ تائب ہو، از سرنو مسلمان ہو۔ بعد اسلام اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ نے اپنی اپنی تصانیف میں، ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں، امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں، علامہ نورالدین سمہودی نے وفاء الوفا میں، امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں، امام ابن الحاج نے المدخل میں، امام علامہ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں، علامہ ابن حجر عسقلانی نے المجموعۃ النبہانیہ میں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں، علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین (فارسی) میں اور شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ایسے بے شمار واقعات توسل کے تعلق سے بیان کیے ہیں۔ اگر توسل غیر خدا سے ناجائز ہے تو ان بزرگانِ دین کی کتابوں پر پابندی لگائی جائے اس کے بعد فاضل بریلوی کی کتابوں کی طرف نکتہ چینی کی جائے۔

(۸) اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے :- فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے کہ "اور اگر مؤذن غیر امام ہو اور نمازی امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو امام و نمازی اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حیّ علی الفلاح کہے اور یہ حکم ہمارے تینوں علماء (یعنی امام اعظم، امام ابویوسف، امام محمد رضی اللہ عنہم) کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ (فتاوی عالمگیری) حاشیہ زیلعی میں ہے "اور سنت یہ ہے کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حیّ علی الفلاح کہے"۔ علامہ

شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ردالمحتار میں لکھتے ہیں "جب کوئی شخص اقامت کے وقت مسجد میں داخل ہو تو کھڑے رہ کر تکبیر کے ختم ہونے کا انتظار کرنا اس کے لئے مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے۔ پھر اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن حیَّ عَلَی الفلاح پر پہنچ جائے"۔(ردالمحتار) علامہ طحطاری رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ مراقی الفلاح صفحہ ۱۵۱ پر تحریر کرتے ہیں "اور اقامت کے وقت داخل ہونے والے کو حکم مذکور سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابتداء سے کھڑا رہنا مکروہ ہے اور عام لوگ اس سے غافل ہیں"۔ حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤطا شریف صفحہ ۸۶۔۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "نمازیوں کو چاہئے کہ جب مؤذن حیَّ عَلَی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں پھر صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھا کریں"(موطا شریف)

اسکے برخلاف وہابی دیوبندی اس فعل کو بدعت سئیہ کہتے ہیں جو کہ سراسر شریعت مطہرہ پر افتراء کرنا ہے۔ جبکہ دیوبند کے کتب خانے سے چھپی ہوئی اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھائی جانے والی کتاب مالابُدَّ مِنہُ جو فارسی زبان میں ہے اس کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ۔ "نماز پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور حیَّ عَلَی الفلاح پر امام و مقتدی کھڑے ہوں" اسکے علاوہ شرح وقایہ اول صفحہ ۱۵۵ پر بھی یہی حکم ہے۔ اور کتاب مضمرات میں تو یہ لکھا ہے کہ مقتدی کو کھڑے ہو کر مطلقاً انتظار کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اب آپ ذہن حاضر رکھ کر فیصلہ کریں کہ ہم علماء دین کے فتووں پر عمل کریں یا ان وہابیوں اور دیوبندیوں کے اقوال پر جو کہ سراسر غلط ہے۔

(۹) علم غیب:- امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "النبی ھو اطلع علی الغیب" (یعنی نبی اسے کہتے ہیں جو غیب پر مطلع ہو۔ امام قسطلانی مواہب الدنیہ شریف میں فرماتے ہیں "نبوت کے معنی یہ ہیں کہ علم غیب جاننا" اسی کی شرح زرقانی میں ہے کہ "صحابہ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبوں کا علم ہے۔ "شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔ "میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا" اس حدیث میں تمام علوم کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے۔ ملا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریم تمام جہان میں ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔ "امام ابن حجر مکی شرح ام القریٰ شریف میں فرماتے ہیں۔ "حضور کا علم و حکم جہان کو محیط ہے" یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام عالم پر اطلاع دی۔ تو سب اولین و آخرین کا علم حضور کو ملا جو ہو گزرا اور جو ہونے والا ہے سب جان لیا۔ ردالمحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "اگر بذات

خود علم غیب حاصل کر لینے کو دعوٰی کرے تو کافر ہے۔ (یہی تو علم غیب عطائی کی دلیل ہے) تفسیر غرائب القرآن درغائب الفرقان میں ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے۔ خدا کے بتائے سے جاننے کی نفی نہیں فرمائی۔ تفسیر جمل شرح جلالین و تفسیر خازن میں ہے۔ "آیت میں جو ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "اگر میری زبان پر شریعت کی روک نہ ہوتی تو میں تمھیں خبر دیتا جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں اندوختہ کر کے رکھتے ہو۔ میرے سامنے شیشہ کی مانند ہو میں تمھارا ظاہر و باطن سب دیکھ رہا ہوں۔" شیخ محقق قدس سرہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور نے جو فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت وغیرہ بے خدا کے بتائے معلوم نہیں ہوئے۔

مندرجہ بالا عبارت میں بزرگانِ دین کے اقوال پیش کئے گئے اس کے علاوہ فاضل بریلوی قدس سرہ نے قرآن وحدیث سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو ثابت کیا۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے اعلیٰ حضرت کی تصنیف "خالص الاعتقاد" کا مطالعہ کیجئے جس میں اعلیٰ حضرت نے ۱۲۰ دلائل آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال فقہاء، ارشادات اولیاء اور عبارت ائمہ سلف و خلف اور ۶۶ ائمہ اہلسنت اور علماء متقدمین جس میں علامہ شامی، امام قسطلانی اور علامہ زرقانی وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو ثابت کیا ہے یہ تصنیف آج تک لاجواب ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ "یہ کہنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک مبارک دامنوں سے وابستہ ہے۔ احمد رضا کا سلسلۂ اعتقاد، علماء، اولیاء، ائمہ، صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ رب العالمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔

(۱۱) بدعت اور اس کی قسمیں :- بدعت کے لغوی معنی نئی چیز کے ہے۔ اس کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا اعمال جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں ظاہری نہ ہوئے ہوں۔ وہابی، دیوبندی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ و کل بدعة ضلالة (اور ہر گمراہی بدعت ہے)۔ جبکہ ملا علی قاری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں سے مراد بدعت سیۂ ہے اور ہر بدعت کو سیۂ سمجھنا جاہلیت ہے اور اس کا ثبوت حدیث پاک سے دیتے

ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کو بھی جو کہ اس پر عمل کریں اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو گا۔ اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو کہ اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی۔ اس حدیث پاک سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیہ اور پھر دونوں کی مندرجہ ذیل قسمیں بیان کیں جو کہ آسانی کے لئے حصے بنا کر پیش کی جارہی ہے۔

بدعت

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیۂ

جائز مستحب واجب مکروہ حرام

اس کے علاوہ جس کام کو کرنے یا نہ کرنے پر شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا اس کو مباح کہتے ہیں یعنی اگر اس کام کو کیا جائے تو اچھا ہے اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی بُرائی اور گناہ نہیں۔

مندرجہ ذیل بالا عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ عقائد اہلسنت کوئی نئے عقائد نہیں بلکہ یہی صحیح عقائد ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے سارے عقائد جیسے اذانِ قبر، زیارتِ قبور، عرس، فاتحہ، قبروں پر قبہ بنانا، اولیاء کی کرامت اور کشف، شفاعت، عید میلاد النبی، ہاتھ پاؤں کا بوسہ، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ، فاتحہ وغیرہ وغیرہ بزرگانِ دین سے ثابت ہیں۔ اس کیلئے دفتر درکار ہیں وقت کی قلت کی بناء پر مختصراً پیش کرنا پڑا، تفصیلی معلومات کے لئے فتاویٰ افریقہ، الامن والعلی، احکام شریعت اور جاء الحق کا مطالعہ کیجئے۔ جس کے مطالعہ کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اسی لئے تو علماء اہلسنت چیلنج کرتے ہیں کہ اگر سنی، وہابی، دیوبندی کے اختلاف کو مٹانا ہو تو ان بزرگانِ دین کے عقائد کو تم بھی مان لو ہم بھی مان لیتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اس پر بھی راضی نہیں ہوتے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو مجدد اعظم کہنے کی وجہ یہی ہے کہ آپ نے اکیلے اتنی ساری تصانیف لکھ ڈالی کہ آج تک پوری جماعت مل کر بھی اس کو شائع نہیں کر پارہی۔ فاضل بریلوی کی جو کتابیں غیر مطبوعہ ہے نہ جانے اس میں کتنے علوم فنون چھپے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ لوگوں کو صحیح سننے اور صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائیں اور اس مضمون کے لکھنے میں جو بھی غلطی ہوئی ہو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں معاف فرمائیں۔

اہلسنت وجماعت کا طریقۂ تبلیغ واشاعت۔ ایک جائزہ

از : محمد سراج الدین شریفی رضوی۔ مغلپورہ، سہسرام، ضلع روہتاس۔ بہار

تبلیغ واشاعت دین کا طریقہ ہر دور میں صالح افراد و عناصر کے ذریعے انجام دیا جاتا رہا ہے۔ رفتارِ زمانہ کے پیش نظر اور وقت وحالات کی تبدیلی کے ساتھ طریقۂ تبلیغ واشاعت بھی تبدیلیوں کے عمل سے گزرتا ہے۔ لیکن کیا آج کے تقاضوں کے مطابق ہم نے اپنے تبلیغی عمل کو مذکورہ تبدیلیوں سے گزارا۔؟ اس سلسلے میں بعض اصحابِ فکر و نظر کے خیالات کی روشنی میں ایک حقیقت پسندانہ جائزہ قارئین کی نذر ہے۔

محمد زبیر قادری لکھتے ہیں : ”عوام اہلسنت سادہ لوح، کم علم اور کم فہم ہیں۔ وہ باطل کے سنہری جالوں میں پھنستے چلے آرہے ہیں۔ عوامِ اہلسنت نئے شکاریوں کے نئے نئے جالوں سے بچ نہیں پارہے ہیں۔ ان حالات کے تحت ہمیں بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم بھی عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے منہ نہ موڑیں۔ آج بھی ہماری جماعت کے اکابرین چند فروعی مسائل کی بنیاد پر رفتارِ زمانہ سے کٹے ہوئے ہیں۔ جس وجہ سے ہمیں مسلسل نقصانات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ عوام الناس سنیوں کی اکثریت ہونے کے باوجود ہم ہر معاملے میں کمتر دکھائی دیتے ہیں۔ ....

امام احمد رضا نے اپنی ساری زندگی مسلک اہلسنت کی ترویج واشاعت اور تحفظ وبقا کیلئے تقریر و تدریس کے علاوہ تحریری وہ خدمات انجام دی ہیں جو ہمیشہ کیلئے ہماری رہنمائی کا کام کرتی رہیں گی۔ تقریر سے زیادہ تحریر دیرپا اور مفید اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد تقریریں سننے والوں سے بہت کم رہتی ہے مگر پڑھے لکھے دانشور حضرات ہی معاشرہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور باطل کی دسیسہ کاریوں کا جواب دے سکتے ہیں۔ نیز صحت مند لٹریچر ہی کسی بھی جماعت کا عکاس اور ذریعہ کبلاغ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی تمام تر توجہ لٹریچر کی اشاعت کی جانب مبذول کردینی ہوں گی۔ (بحوالہ اداریہ افکارِ رضا ممبئی 'جون ۱۹۹۹ء)

اور مبلغ اسلام علامہ بدرالقادری کے مطابق : ”آج کے بدلے ہوئے ماحول میں تحریکی بنیادوں پر جرائد ورسائل کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ افسوس کہ ہم میں کا مقدمۃ الجیش طبقہ اس لازمی ضرورت کو مدتوں سے نظر انداز کرتا آرہا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں محض پروپیگنڈے کی بنیاد

پر دنیا بھر سے رابطہ قائم کر کے عالم اسلام سے اپنے مفادات حاصل کر رہی ہیں۔ باہر کی دنیا انہی کو مسلمانوں کا نمائندہ اور صف اول کا محرک سمجھ رہی ہیں۔" (حوالہ الکوثر، سہرام جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء)

اس ضمن میں علامہ یٰسین اختر مصباحی کا نظریہ بہت واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "قلم کی قوت و طاقت اور اس کی اہمیت وافادیت ہر دور میں ہر عہد میں مسلّم رہی ہے۔ اس کے ذریعے بڑے بڑے معرکے سر کیئے گئے ہیں اور بڑے بڑے کارنامے انجام دے گئے ہیں۔ اس کا سرمایۂ افتخار یہ ہے کہ خود خالق کائنات بھی تحریر کی قسم کھا رہا ہے۔" (حوالہ الکوثر سہرام)

مذکورہ حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جماعت حقہ اہلسنت وجماعت تبلیغی واشاعتی میدان میں غیروں کے بہت پیچھے ہے۔ اس سلسلے میں ناچیز کا نظریہ یہ ہے کہ اس تنزلی وابتری کے ذمہ دار اصل میں موجودہ اور ماضی قریب کے کچھ وقت ناشناس، خود غرض ومفاد پرست قائدین ہیں۔ جنہوں نے عوام اہلسنت کو رفتار زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اس رنگ میں ڈھال دیا ہے جس سے کہ ان نام نہاد قائدین کا دنیاوی مفاد حاصل ہو سکے۔

ہندوستان میں ہمارے قائدین اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے ہو کر بھی روایتی طریقہ پر صرف تقریر کو ہی ذریعۂ تبلیغ بنائے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ حضرات میزائل کے زمانے میں تلوار سے کام لے رہے ہیں اور قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس بناء پر جماعت اہلسنت کا تبلیغی واشاعتی کام نہیں کے برابر ہو رہا ہے۔ (البتہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جو اپنی قلمی خدمات کے ذریعے مردہ جسم میں روح پھونکنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں مگر ایسے لوگ انگلی پر گنے جا سکتے ہیں) اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ نظام بقاءِ حق کے تحت ہو رہا ہے نہ کہ ان سے جو دین کے نام پر دنیا حاصل کر رہے ہیں۔ بلاشبہ دنیا حاصل کرنا غلط نہیں ہے مگر دین کے نام پر ضرور غلط ہے۔

مبلغ اسلام علامہ فروغ القادری لکھتے ہیں۔ "برطانیہ میں عربی لسانیات وادب کے تمام شعبوں میں فرنگی حاوی ہیں اور یہ سفید پوش بلا تکلف اہلِ زبان کی طرح عربی لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغربی دنیا اندلس اور یونان کی علمی ذخائر کی تجدید کاری میں مصروف ہے اور دوسری طرف عالم اسلام میں ان دنوں عملی وفکری تحریکات عملاً مسدود ہو کر رہ گئی ہیں۔" (حوالہ الکوثر جنوری۔ مارچ ۱۹۹۹ء)

اس ضمن میں ہمارے قائدین و مصنفین کس قدر بے حس اور ضرورتِ زمانہ سے روگردانی

کر رہے ہیں اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگائیں کہ بزرگانِ متقدمین کی وہ سیکڑوں کتابیں جو عربی و فارسی میں ہیں اور عوام الناس میں بہت مقبول ہیں جیسے سعدی کی گلستاں، بوستاں، مثنوی مولانا روم، دیوانِ حافظ، کشف المحجوب اور مکتوبات مجدد الف ثانی وغیرہ کا ہندوستان میں ایک بھی سنّی اردو ایڈیشن نہیں ہے۔ آج عوام اہلسنّت ان سیکڑوں کتابوں کا وہابی اردو ایڈیشن پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔

مذکورہ پس منظر میں ہمیں اپنے اور اپنے مخالفین کے طریقۂ تبلیغ واشاعت کا جائزہ لینا ہے اور دیکھنا ہے کہ کس کا طریقہ کار دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے اور کس کا روایتی ہے۔ کون کامیابی کی اونچائی کو چھو رہا ہے اور کون پستی کی گہرائی میں جارہا ہے۔ مگر اس سے پہلے قارئین کرام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا نتیجۂ فکر ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں: "علم ودانش اور مطالعہ ومشاہدہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے دائرۂ فکر اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے۔ ایک ہی پھول میں ہر آنکھ مختلف بہاریں دیکھتی ہے اور ایک ذرّے میں مختلف جمال۔" (حوالہ تبصرہ بر شرح سلام رضا)

آپ نے دیکھا پروفیسر صاحب جہاں مطالعہ ومشاہدہ کی اہمیت وضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف ہمارے قائدین ومقررین حضرات صرف تقریریں سننے اور سنانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ کیا یہ روش قوم واسلام سے غداری کے مترادف نہیں ہے؟ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ہر ممکن طریقہ پر عوام اہلسنت کو اسلامیات کا مطالعہ کرنے اور کرانے کی ترغیب دیتے۔ موجودہ زمانہ میں تحریر تقریر پر اوّلیت رکھتی ہے۔ تقریر کے اثرات عارضی ہیں جبکہ تحریر کے دیرپا۔

مولانا فروغ القادری صاحب اپنے ایک مضمون میں امریکی صدر کلنٹن کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ "دوسری جانب اس کی بیٹی جامعہ الازہر مصر کے توسط سے اسلامیات کا مطالعہ کر رہی ہے یہ متضاد کیفیات بھی منجانب اللہ غلبۂ دین کی حکمت سے عبارت ہے۔" (حوالہ الکوثر)

مذکورہ اقوال شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری پستی کی ایک وجہ ناقص تربیت بھی ہے ہم اپنے مدرسوں میں تقریریں کرنے اور نعت پڑھنے کی تربیت تو خوب دیتے ہیں مگر اپنے طلباء کو دنیا کے احوال سے، جماعتی سرگرمیوں سے یا تقاضۂ وقت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش بالکل نہیں کرتے۔ جبکہ بہت اشد ضرورت ہے کہ ہم ان کو مذکورہ احوال وامور کے علاوہ اپنے مخالفین کے طریقۂ کار سے بھی انہیں واقف کرائیں تاکہ وہ دین اسلام کی خاطر خواہ خدمت کر سکیں اور اکیسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں الجامعۃ الاشرفیہ اور اسکے تربیت یافتہ افراد ہم سب کے لئے روشنی اور رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اہلسنت و جماعت کا یہ مرکزی ادارہ آج ملک میں مثالی کردار ادا کر رہا ہے۔ اس مثالی ادارہ کے مثالی افراد عالمی پیمانے پر جو خدماتِ دین کا کام انجام دے رہے ہیں بالخصوص تصنیف و تحقیق کے میدان میں وہ مثالی ہے اور قابل تقلید بھی۔

ہمارے مخالفین اپنے ارکان کو مثبت طریقہ پر تبلیغی و اشاعتی کام کی تربیت دیتے ہیں اور اس طرح وہ پوری دنیا میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو رہے ہیں۔ جبکہ ہم اپنی غلط روش اور کوتاہیوں کے نتیجے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر تنزلی سے دو چار ہیں۔ مخالف ہر ممکن طریقے پر اپنی تحریر کو پھیلانے کی تدبیر کرتا ہے جبکہ سُنّی صرف تقریر سننے اور سنانے کی تدبیر کرتا ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے طریقۂ کار میں بنیادی تبدیلی لائیں اور اس میں تقریر پر تحریر کو اوّلیت دیں۔ اس سلسلے میں ہم غیروں سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ باطل فرقے والے عموماً اپنی باتیں اور اپنے نظریات مثبت طریقے پر پیش کرتے چلے جاتے ہیں وہ پیچھے مڑ کر کم ہی دیکھتے ہیں کہ کون کیا کہہ یا کر رہا ہے۔ جبکہ ہمارا منفی روّیہ ہمیں اُن کے پیچھے ڈالے ہوئے ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں ان کے خلاف کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنے موافق اور اپنی ضروریات کے تحت کچھ کرنے کی نہ سمجھ ہے نہ فرصت ہے اور نہ فکر ہے۔ اس غیر دانشمندی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک ہی جماعت یا ایک ہی مسئلہ یا موضوع پر سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں لکھ لکھ کر اپنی قلمی و فکری توانائی کو ضائع کر رہے ہیں اور دوسرے ضروری موضوعات سے مسلسل صرفِ نظر کئے ہوئے ہیں۔



چمنِ رضا کی کھلتی کلی

شعیب الاولیاء یار علی لقدرضی المولیٰ تعالیٰ عنہ

از: محمد حامد رضا عرف محمد شمس القمر قادری فیضی

صدر المدرسین دار العلوم فیضانِ رضا حشمت العلوم، پیر اتال بھدرسہ فیض آباد

رب کائنات جل جلالہ نے قومِ مسلم پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا کہ اس نے گل گلزار چشتیت و قادریت شیخ المشائخ پیر طریقت حضرت صوفی الشاہ یار علی علیہ الرحمہ والرضوان کو پیکر زہد و تقویٰ منبع صدق و صفا بنا کر مبعوث فرمایا۔ جبکہ اس عالم رنگ و بو میں اور نگار خانۂ قدرت میں بے شمار لوگوں نے جنم لیا اور یوں ہی پیدا ہوں گے اور فنا ہو جائیں گے۔ مگر بعض بندوں کو رب تعالیٰ نے چن لیا ہے جس کے سبب ان کے مراتب بھی اس قدر بلند ہو گئے کہ شاہانِ زمانہ روسائے عصر اپنی جبینوں کو پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور پھر وہ اتنے متبرک ہو گئے کہ ایک عالم ان کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت کی سوغات لیے حاضر دربار ہے۔ انھیں اقبال مند اور بخت آور ہستیوں میں حضور شیخ المشائخ کی ذات مثل آفتاب درخشندہ اور تابندہ ہے۔ جنھوں نے اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت اور اس کے فروغ کیلئے ہر ممکن قدم اٹھایا۔ لاکھوں فتنوں کے باوجود کسی کی پرواہ کئے بغیر فکر رضا کو اپنا رہنما تصور کیا جبھی تو تمام ترکامیابیوں سے ہمکنار ہوتے چلے گئے۔ آج وہ وقت آیا کہ پوری ملت اسلامیہ چمنِ رضا کی کھلتی کلی شعیب الاولیاء یار علی کے نام سے یاد کرتی ہے جن کی ذات امت مسلمہ کے لئے ایک قیمتی سرمایہ بن گئی۔ آج اپنے ہوں یا بیگانے حیاتِ شعیب الاولیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی خدمات دینیہ کو دیکھ کر رہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کہ پرتو غازی میاں ہو منظر غوث الوریٰ
سرخرو سالار کے نور نظر یار علی

حضور شعیب الاولیاء اپنے پورے وجود کیساتھ ارض براؤں کو زینت بخشے ہوئے تھے مگر ان کی کاکلیں زلفوں کی خوشبوئیں سے نہ صرف ایک گاؤں بلکہ پورا اتر پردیش بلکہ پورا ہندوستان اور اب کہ

لیجئے کہ بیرون ممالک کے بھی مشام جاں معطر ہیں اور وہ عطر نہ عطر گلاب ہے نہ عطر چنبیلی ہے نہ عطر نسترن ہے نہ عطر سنبل ہے بلکہ وہ عطر، عطر علم دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے۔ اسی دُرِّ نایاب اور نابغۂ روزگار شخصیت کو دنیا یار علی قدس سرہ کے اچھوتے نام سے موسوم کرتی ہے جنھوں نے چمنستان رضا اور فردوس معرفت و طریقت کو اس قدر سرسبز و شاداب کیا کہ دنیائے اسلام فکر رضا اور فکر شعیب الاولیاء کے مابین خط امتیاز کھینچنے پر قاصر ہے۔

یاد رہے کہ آپ کی پیدائش ۱۳۰۷ھ ہجری کا زمانہ بڑا ہی پر آشوب تھا بھرے فتنوں نے جنم لے رکھا تھا کہیں فتنۂ وہابیت شعلۂ جوالاں تھا تو کہیں فتنۂ قادیانیت و دیوبندیت کوہ آتش فشاں تھے اور رافضیت، چکڑالویت، نیچریت، مودودیت یہ سب الگ الگ اپنی راگ راگنی الاپ رہے تھے۔ ایسے ماحول میں رحمت پروردگار نے بندوں کو مژدۂ جانفزا سنایا۔ لوگو! گھبراؤ مت۔ وہ مسیحا تمھارے اندر عنقریب جلوہ گر ہوگا جسے پاکر تم آسودہ ہو جاؤ گے، تمھارے جلتے خرمن ایمان پر محبتِ رسول کا ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا پانی بہایا جائیگا جس سے تمھارا اُجڑا ہوا چمنِ ایمان ایک بار پھر نئی کونپلوں کے ساتھ سرسبز و شاداب ہوگا۔ چنانچہ ایک دن مشیت کو جلال آہی گیا۔

میرے آقا کی محبت کا سوال آہی گیا
کہ صورتیں تسکین کی نکلیں دل سیماب سے
اک کرن پھوٹی اچانک چرخ پر مہتاب سے
اس کرن کو اہل دیں یار علی کہنے لگے
ملت ختم الرسل کا پاسباں کہنے لگے

بحمدہٖ تعالیٰ ۱۳۰۷ھ ہجری میں حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمۃ والرضوان فکر رضا کا پیکر بن کر اس دار فانی میں تشریف لائے اور مسلک اعلیٰحضرت کے ترجمان بن کر عالم اسلام کو فیضیاب کرنے لگے۔ کون اعلیٰحضرت...... وہ اعلیٰحضرت جو ملت اسلامیہ کی ڈوبتی ناؤ کو ترانے والا ہے جسے دنیا مجدد دین و ملت امام اہل سنت عظیم البرکت الشاہ مفتی امام احمد رضا محدث بریلوی کے نام سے یاد کرتی ہے جنھوں نے ہر ہر فتنہ کے محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے میمنہ اور میسرہ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہئیے کہ جب امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے تمام تر فتنوں پر باز اشہب کی طرح حملہ کیا تو زبانی طور پر سبھی لوگوں نے خوب تائید و توثیق کی مگر جب اسے معرض تحریر میں لاکر دنیائے اسلام کے سامنے پیش کرنے کی بات آئی تو سب لوگوں نے آنا کانی کرنا شروع کردی الا البعض۔ جسے خود اعلیٰ حضرت یوں لکھتے ہیں ملاحظہ ہو:

"ایام ندوہ میں ہندوستان بھر کا تجربہ ہولیا عبارات ندوہ سنکر ضلالت ضلالت کی رٹ لگا دیں۔ اور جب کہیے لکھ دیجئے۔ بھائی لکھواؤ نہیں ہمارے فلاں دوست برا مانیں گے ہمارے فلاں استاد کو برا لگے گا اور بہت کو یہ خیال کہ مفت اوکھلی میں سر دے کر موسل کون کھائے۔"

فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ صفحہ ۱۳۲

حضرات! ایسے ماحول میں حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمۃ کو پروردگار نے جماعت اہل سنت کیلئے نعمت غیر مترقبہ کی شکل میں الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا پیکر بنا کر پیدا فرمایا۔ جنھوں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی ہر فکر و نظر سے اتفاق کیا اور آواز حق کے ساتھ آواز ملا کر لبیک کہتے ہوئے سینے سے لگایا۔ اور کیوں نہ ہو جب آنکھ کھلی تو علوی سادات کا مقدس و پاکیزہ گھرانہ دیکھا جہاں ہر دم، ہر لحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا چرچا ہو رہا تھا۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ کالج کا مدرس ہونے کے باوجود نشست و برخاست دینی، رفتار و گفتار دینی بلکہ پورا وجود دینی ماحول میں اس قدر ڈھل چکا تھا کہ جس طرف سے گزر جاتے لوگ ایک مرتبہ اپنی جبینوں کو خم کر کے ضرور عقیدتوں کی سوغات پیش کرتے۔ اب اس معرفت و حقیقت کے بحر بیکراں کے غواص کو ایک سچے رہنما کی ضرورت تھی جو کبھی کسی کٹھن گھڑی کے وقت کام آئے۔ تب پھر ایک بار رحمت خداوندی نے آواز دی کہ اے شاہ یار علی اب کہیں بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے رب تعالیٰ نے شیخ المشائخ ولی کامل حضور سیدی شاہ عبد اللطیف ستھوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو تمہارے لئے تمہارا رہبر بنایا ہے۔ جاؤ امیدوں کی جھولیاں گوہر مراد سے بھر جائیں گی۔ چنانچہ باریابی کا شرف حاصل ہوا اور شرف بیعت و ارادت سے نواز کر دل کی دنیا میں چار چاند لگا دیا۔

اعلحضرت اور فکرِ شاہ عبد اللطیف: یہاں پر ہم ایک جھلک حضور شاہ عبد اللطیف ستھوی اور امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہما الرضوان کی فکری ہم آہنگی کی بھی پیش کردیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ شعیب الاولیاء کے مربی طریقت حضرت شاہ عبد اللطیف جب اس قدر فکر رضا سے مربوط تھے تو پھر شعیب الاولیاء کیوں کر نہ اس قدر فکر رضا کو اپنی زندگی کا محور بنائیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

یاد رہے کہ وہابیوں دیوبندیوں سے حضرت شاہ عبداللطیف کو انتہائی نفرت تھی حتی کہ ایک مرتبہ چندہ دیکر واپس لے لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دیوبندی مولوی حضرت کے پاس چندہ لینے ستھن شریف پہونچا۔ ستھن قصبہ نماگاؤں دریائے گومتی کے کنارے رانی گنج بازار ضلع سلطانپور سے تقریباً چھ کلومیٹر دور پچھم میں آباد ہے (فقیر راقم السطور حاضر ہو چکا ہے)۔ الغرض دیوبندی مولوی نے حضرت سے چندہ مانگا، اپنی عادت شریفہ کے پیش نظر حضرت نے چندہ دیکر رسید کٹوائی اور وہ مولوی چلتا بنا۔ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ ارد گرد بیٹھے لوگوں نے عرض کیا، حضور چندہ لینے والا مولوی دیوبندی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ آپ چراغ پا ہو گئے اور تیز آواز میں فرمایا کہ لوگوں دوڑو اس مولوی سے میرے روپے چھین لو۔ ورنہ اس روپے سے رسول پاک کی گستاخی کا درس پھیلے گا اور جب رب کے حضور پرسش ہوگی کہ تم نے روپیہ دیکر رسول پاک کی گستاخی کو عام کیوں کروایا تو اس وقت کیا جواب ہوگا۔ جبکہ قرآن مقدس نے فیصلہ دیدیا کہ تعاونو اعَلی البرّ و التقوٰی وَ لَا تعاونو علی الاثم و العُدْوان۔

نیکی اور تقویٰ کی مدد کرو گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو (قرآن شریف)

چنانچہ لوگ دوڑے اور دیوبندی مولوی سے روپے چھین لیے۔ ایک سوال آتا ہے کہ آخر اتنا زبردست تصلب حضور شاہ عبداللطیف علیہ الرحمہ کے اندر آیا کیسے؟ تو کُل ملا کر جواب ہوگا کہ یہ سب کچھ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فیضان قلم و نظر کی کرامت ہے۔

یاد رہے کہ حضور شاہ عبداللطیف ستھنوی علیہ الرحمہ شہزادگان بہادر شاہ ظفر سے ہیں۔ کہاں جاتا ہے کہ جب انگریزوں نے شہزادوں کو گن گن کر قتل کرنا شروع کیا تھا تو آپ چونکہ تیراک تھے اسلئے دریائے جمنا کو تیر کر جنگل میں روپوش ہو گئے۔ اور چونکہ شہزادگان کو نیزہ بازی، تلوار زنی، تیراکی وغیرہ ہنروں سے مزین کر دیا جاتا تھا اس لئے یہ بات قابل قبول بھی ہے۔ ہوتے ہوتے دریائے گومتی کے کنارے آخری عمر گذاری۔ چشم دید گواہان سے ثابت ہے کہ بھری گومتی ندی کو کود کر تیر کر پار کر دیتے تھے انگریز کو آپ کی انھیں چند باتوں پر شبہ ہوا تو جب آپ کی تصویر کو ملاتے تو اللہ کی شان کہ تصویر ملاپ نہیں کھاتی تھی۔ الغرض گمنامی ہی میں عافیت محسوس کی۔ مگر پروردگار نے جو جوہر عنایت فرمایا تھا وہ چھپ نہ سکا بندگان خدا نے اس کو تلاش کر کے ہی دم لیا۔

حضرات ناظرین! اس موڑ پر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ جن انگریزوں نے ان کے سامنے ان کے باپ بھائی اور خاندان کو تباہ وبرباد کیا۔ کیا انہی انگریزوں کی حمایت کرنے والے ملاؤں کے ساتھ کبھی

حضور شاہ عبداللطیف رہ سکتے تھے ؟ عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کبھی نہیں رہ سکتے تھے۔ اور بالائے عجب یہ کہ اللہ و رسول کے گستاخ کو ایک سچا مسلمان کبھی قریب نہیں کر سکتا تو آپ کیسے انھیں قریب کرتے اور حق سمجھ سکتے تھے اسلئے آپ کو وہابیوں اور دیوبندیوں سے انتہائی نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضور اعلیٰحضرت محدث بریلوی سے انتہائی محبت کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی نظر و فکر کو حق جانا۔ حتی کہ روایۃً ثابت ہے کہ جب آپ بریلی شریف جاتے تھے تو اعلیٰحضرت محدث بریلوی کافی احترام فرماتے تھے۔

اسی بارگاہِ مقدس کے تربیت یافتہ ہیں شیخ المشائخ حضور سیدنا شاہ یار علی علیہ الرحمہ والرضوان جنھوں نے اعلیٰحضرت اور شاہ عبداللطیف علیہما الرضوان کو اپنا روحانی مربی قرار دیا اور ان کی ہر نظر و فکر سے اتفاق کیا حتی کہ اعلیٰحضرت کے مشن کو سیکھنے کیلئے علماء کی محبت اختیار کی اور علم دین مصطفےٰ کو سیکھنا اپنی زندگی کا طرۂ امتیاز بنایا۔ اس کیلئے اپنی جائداد و دولت کو پانی کی طرح بہایا نیز ہمہ تن مصروف رہے۔ نتیجتاً شیخ المشائخ عالم شریعت کیساتھ معرفت و طریقت کے بحر بیکراں کے بہترین غواص بن گئے۔ سچ ہے جو سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اعلیٰحضرت سے شعیب الاولیاء کی محبت : حضور شیخ المشائخ کے سامنے ہندوستان کے بڑے بڑے عالم کہلانے والے ظالم موجود تھے مگر جب ان کو عشقِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر رکھا تو سوائے امام احمد رضا اور ان کے ہم فکر علماء کرام کے اور کسی کو کھرا نہ پایا۔ بس کیا تھا کہ بلا خوف لومۃ لائم امام اہل سنت کی ذات اور ان کی فکر سے وابستہ ہو گئے اور اس طرح وابستہ ہوئے کہ آج زمانہ "چمن رضا کی کھلتی کلی شعیب الاولیاء یار علی" کے عنوان سے ممنون کرنا فخر محسوس کر رہا ہے۔ جبکہ حضور شعیب الاولیاء نے امام اہل سنت سے شرف لقاء نہ فرمایا مگر محبت اویس قرنی لیکر جیتے رہے کہ جس طرح کہ عاشقِ مصطفےٰ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے سرکار کائنات احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا مگر محبت اس طرح کی کہ دنیا مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سچ ہے کہ

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلادیئے ہیں

چنانچہ شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے عاشقِ عشق مصطفےٰ نائب رسولِ خدا مظہر غوث الوریٰ امام احمد رضا محدث بریلوی کو نگاہوں سے دیکھا نہیں مگر محبت اسطرح کیا کہ پروانہ وار نثار ہو گئے اور ان کی فکر سے دامن گیر ہو گئے۔ یاد رہے کہ ان کی محبت اور لگن کا جیتا جاگتا ثبوت خود ادارہ فیض الرسول، خانقاہ فیض الرسول اور ماہنامہ فیض الرسول ہے جب کہ جماعت اہل سنت کی تمام خانقاہیں موجود ہیں مگر یہ امتیاز صرف خانقاہ فیض الرسول کو حاصل ہے کہ اس کے ہر ہر گوشے سے مسلک اعلیٰحضرت کا کام نمایاں ہے۔ حد یہ کہ خانقاہ فیض الرسول مسلک اعلیٰحضرت کی نشرواشاعت پر رجسٹرڈ ہے حوالہ کیلئے رجسٹریشن کے چند دفعات ملاحظہ ہوں :-

(۱) چونکہ خانقاہ فیض الرسول عام مسلمانوں کی فلاح وبہبودی سے متعلق ہے اور فقیر (شعیب الاولیاء) اس کو مسلمانان اہل سنت ہم عقیدہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملکیت فی سبیل اللہ قرار دیدیا ہے۔ لہذا خانقاہ فیض الرسول کی جائداد کسی شخص واحد کی ملکیت ہرگز قرار نہ پائیگی۔

(۲) خانقاہ فیض الرسول کی سجادہ نشینی کا اہل وہ شخص ہوگا جو اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کا ہم عقیدہ ہونے کیساتھ مستند عالم باعمل اور انتظامی امور میں بیدار مغز اور ہوشیار ہو۔

(۳) سجادہ نشینی کے انتخاب کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ پہلے مسئلہ انتخاب کی تاریخ مقرر کر کے میرے مریدوں اور عام مسلمانوں میں اعلان کیا جائے پھر اس تاریخ میں آئی ہوئی جماعت مسلمین ایسے چالیس آدمیوں کا ایک وفد تیار کرے جو اہل سنت کے علماء صلحا و متبعین شریعت ہم عقیدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی پر مشتمل ہو۔ الی آخرہ۔

(۱۲) ارکان مجلس عاملہ کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ منصب رکنیت سے خارج ہے۔

حضرات! مذکورہ بالا دفعات سے آپ کو خوبی پتہ چل گیا ہوگا کہ حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے اعلیٰحضرت محدث بریلوی سے کس طرح والہانہ محبت کی تھی۔ یہاں پر ایک بات آتی ہے کہ کیا محدث بریلوی سے شعیب الاولیاء کی کوئی خاندانی قرابت داری تھی؟ کیا اعلیٰحضرت محدث بریلوی کو ہندوستان کے مشہور خاندانی پٹھان ہونے کی وجہ سے محبت کی؟ تو جواب ہوگا نہیں۔ نہیں بلکہ عاشقِ مصطفےٰ

مظہر غوث الوری ہونیکی وجہ محبت کی۔ کیونکہ دنیا کی ساری شرافتیں اور سارے رشتے سب عارضی ہیں۔ اور شعیب الاولیاء نے اعلیٰحضرت سے جو رشتہ جوڑا ہے وہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا آئینہ دار ہے یقیناً وہی رشتہ اٹوٹ ہے جو دار فانی سے دار بقاء تک کے لئے ہمراہی بھی ہے۔ جب آپ نے اعلیٰحضرت کی حقانیت کی بنیاد پر ان کی آواز سے آواز ملائی، اعلیٰحضرت کے عشقِ رسول کو اپنے سینے سے لگایا تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کو صوفی یار علی کے بجائے شیخ المشائخ۔ شعیب الاولیاء۔ گل گلزار چشتیت و قادریت جیسے القاب سے یاد کیا گیا۔ اور آج ہر شخص آپ کے درپاک سے بھی روحانی فیوض وبرکات کا باڑہ حاصل کر رہا ہے۔

شعیب الاولیاء کا اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں استفتاء: اعلیٰ حضرت سے لگاؤ ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ اپنے مسائل دینیہ کا استفتاء بھی اعلیٰحضرت سے کیا کرتے تھے اور کیوں نہ ہو جن نظروں نے امام اہل سنت کی تحقیق کو دیکھا ہو بھلا ان کے علاوہ اور کوئی نظروں میں کیسے رچ بس سکتا ہے۔ کون نظروں میں بچے چھوڑ کے تکوہ تیرا۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر شعیب الاولیاء کا استفتاء پیش ہے جو کہ اعلیٰحضرت سے آپ نے کیا تھا۔

مسئلہ :- از چاند پارہ ڈاکخانہ شہرت گڈھ ضلع بستی۔ مسئولہ محمد یار علی۔ ۱۸، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو مقتدی کے صف کے آگے کھڑا ہونیکی جگہ نہیں ہے تو امام صف مقتدی میں کس صورت سے کھڑا ہو یا امام مقتدی سے کچھ امتیاز کے واسطے آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کے دونوں جانب داہنی امام کے پیر کے برابر کھڑے ہوں۔ بینوا توجروا

حضرات! اعلیٰحضرت کا جواب طویل ہے اس لئے جواب نقل کیے بغیر حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ کے مذکورہ استفتاء سے فکر شعیب الاولیاء اجاگر کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رہے کہ شعیب الاولیاء کے بارے میں یہ بات حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے کہ حضور والا نے پینتالیس سال تک نماز تو نماز بلکہ جماعت کو تکبیر اولیٰ کیساتھ ادا فرمایا ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ آخر کار اس پینتالیس سال کی عمر میں کئی مرتبہ حج بیت اللہ الحرم بھی ہے۔ مزید پورے غیر منقسم ہندوپاک کا دورہ بھی ہے۔ سفر کی تمام تردشواریوں کے باوجود اس قدر تکبیر اولیٰ کے التزام کے ساتھ نماز ادا کرنا یہ آپ کی سب سے بڑی کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ مذکورہ استفتاء بھی آپ کی پابندیٔ جماعت کی نشاندہی کر رہا

ہے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تکبیر اولیٰ کیساتھ نمازوں کا ادا کرنا ہے۔ اور یہ صرف و صرف مرشد اجازت حضور شاہ عبداللطیف ستھوی علیہ الرحمہ کا کرم ہے کہ جب آپ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو رخصتی کے وقت فرمایا کہ۔ میاں نماز تو نماز جماعت تو جماعت جب تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے یہی نماز اللہ سے ملادے گی۔ سبحان اللہ۔ بس کیا تھا کہ اسی روز سے آپ کی زندگی میں انقلاب آیا اور شیخ المشائخ شاہ عبداللطیف ستھوی کی یہ بات شعیب الاولیاء کیلئے پتھر کی لکیر بن گئی۔ اور پینتالیس سال تک انتہائی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ فللہ الحمد رب العلمین۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہواؤں میں اڑنا کرامت، پانی پر چلنا کرامت ہے، محیر العقول چیزیں دکھانا کرامت ہے۔ جی نہیں۔ یہ ساری چیزیں بعد کی تصرفات ہیں سب سے پہلے اور سب سے بڑی کرامت استقامت علی الشرع ہے۔ دیکھئے حضور سیدنا غوث اعظم ولی کی کرامت کے بارے میں فرماتے ہیں: کرامة الولی استقامة فعلہٖ علیٰ قانون قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا فعل نبی کے قول کے قانون کے مطابق ہو۔ (بہجۃ الاسرار) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ اقرب الطرق الی اللہ تعالیٰ لزوم قانون العبودیة والا ستمساك بعروة الشریعة (بہجۃ الاسرار للعلامہ ابی الحسن شطنوفی صفحہ ۵۰)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔ معلوم ہوا کہ زندگی شریعت مطہرہ کی پابندی کے ساتھ گذارنا سب سے بڑی کرامت ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ شعیب الاولیاء کی زندگی کے ہر گوشے سے اتباع شریعت کی کرنیں پھوٹ پڑتی تھیں اسی لئے رب کائنات نے آپ کو تمام تر نعمتوں سے نواز دیا تھا۔ اور حدیث قدسی بھی ہے۔ لایزالُ عبدی یتقرّبُ الیَّ بالنوافل فاحببته فاذا احببته فکُنتُ سمعه اللذی یسمع به۔ الی آخر الحدیث۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ عبادت کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرلیتا ہے۔ پس میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں پھر اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ الی آخر الحدیث (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۹۷ رواہ البخاری)

خاصان خدا خدا نباشد   لیکن زخدا جدا نه بنا شد

شعیب الاولیاء انھیں میں سے ایک مثل ستارہ چمک رہے ہیں۔ جن کی پوری زندگی اقوام عالم کیلئے نمونۂ عمل ہے۔ راقم السطور شرف لقاء سے تو محروم رہا مگر بدر طریقت حضرت علامہ بدرالدین احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ زمانہ تدریس ہی میں درسگاہ میں آپ کے محاسن کو بطور ترغیب و ترہیب طلبہ کے

سامنے پیش کرتے۔ وہی نقوش اب تک حاشیۂ ذہن پر منقوش ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اکابر علماء کرام کے بالتواتر بیانات سننے میں آئے جس سے علم یقین ہو گیا کہ یقیناً شعیب الاولیاء ولیوں کے پناہ گاہ تھے۔ یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ اکابر کے چند تاثرات پیش کر دوں تاکہ قوم کیلئے ثبوت فراہم ہو جائے۔

شعیب الاولیاء اکابرین کی نظر میں : حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ کے جذبۂ اخلاص ہی کو دیکھ کر شہزادہ اعلیٰ حضرت تاج الفقہاء سند العلماء حضور مفتی اعظم الشاہ عبد المصطفےٰ لقدر رضی اللہ عنہ نے محب سنیت، مبلغ مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰحضرت جیسے القاب سے یاد فرمایا اور دار العلوم فیض الرسول کے سند پر لکھے ہوئے عہد و پیمان سے خوش ہو کر یہاں تک فرمایا کہ یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سنی مدارس تو اور خود مرکز اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا اس سے فقیر زیادہ متاثر ہوا (از مکتوب مفتی اعظم)۔ اسی طرح حضور شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰحضرت علامہ حشمت علی خان صاحب علیہ الرحمہ نے آپ کی خدمات دینیہ کو دیکھ کر برسوں تک آپ کی مصاحبت اختیار فرمائی اور آج بستی سدھارتھ نگر، گونڈہ، فیض آباد، بارہ بنکی، سلطانپور وغیرہ میں جو بھی سنیت ہے انھیں دونوں بزرگوں کی رہین منت ہے۔ مزید شیر بیشۂ اہل سنت نے اعتراف کرتے ہوئے ترجمان اہل سنت میں "شعیب الاولیاء اور تصلب فی الدین" کے موضوع سے رقم فرمایا ہے جو کہ اپنے مقام پر دیکھا جا سکتا ہے۔

یوں ہی شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ جو خود بھی صاحب حال بزرگ تھے اور صوفی باصفا نیز جلیل القدر عالم دین تھے آخری عمر تک دار العلوم فیض الرسول کے شیخ الحدیث والادب تھے۔ برسوں شعیب الاولیاء کی خدمت میں رہ کر قدم بوسی کی اور ان سے نیاز حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی صاحب تصانیف کثیرہ علیہ الرحمہ درس و تدریس کے دوران بارہا ذکر کیا کرتے۔ کبھی اخلاق کریمانہ کبھی تواضع نفس کبھی احترام علماء کبھی علم دین کا علم دوست کبھی آپ کے محاسن ذکر کر کے فرحت محسوس کرتے بسا اوقات دیکھا گیا کہ آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئی ہیں۔

بدر ملت حضرت علامہ مفتی الشاہ بدر الدین احمد صاحب قبلہ رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہیں کہ میں نے گیارہ سال بفضلہ تعالیٰ حضرت کی زندگی مبارکہ کا زمانہ پایا جس سے دین کی تربیت میں مجھے مدد ملی۔ (از فتاویٰ فیض الرسول۔ غلام عبد القادر رابع۔ ایل ایل بی علیگ۔ صاحبزادہ شعیب الاولیاء)

مذکورہ علماء کرام کے علاوہ سیکڑوں علماء کرام اور دانشوران قوم و ملت کے تاثرات کتابوں میں

بھرے پڑے ہیں جو جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم رسالہ بن جائے۔ انشاء اللہ کسی دوسرے مقام پر تفصیل بھی ملاحظہ کریں گے۔ خصوصیت کے ساتھ ہم حضور سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمۃ کے تاثرات سے متاثر ہیں۔ جو فیض الرسول سے اکثر شائع ہونے والی دینی کتابوں کی زینت بن کر چمک رہے ہیں۔ اس مختصر سے مقالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ بالا تاثرات اکابرین یوں بلاوجہ منظر عام پر نہیں آئے بلکہ ان حضرات نے شعیب الاولیاء کی خدمات دینیہ اور جذبۂ ملی کو دیکھا اور محسوس کیا اور دارالعلوم فیض الرسول کو ان کی زندگی کا اعظم شاہکار سمجھا جو قیام قیامت تک ملت اسلامیہ کو علم دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے روشناس کرتا رہیگا۔

شعیب الاولیاء اور فیض الرسول : حضور شعیب الاولیاء کی ذات جہاں کئی دوسری حیثیتوں سے عام مسلمانوں کے لئے باعث رحمت و برکت ہے وہیں پر علماء اسلام کیلئے بھی گراں قدر سرمایۂ حیات ہے۔ وہ اس لئے کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ دارالعلوم فیض الرسول کا قیام اور اس کے ذریعہ علوم دینیہ کی نشرواشاعت کا اہتمام انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور یہ سچ ہے کہ علوم دینیہ کی نشرواشاعت سے آپ کو کافی دلچسپی تھی۔ آپ مدارس اسلامیہ کی ضرورت و اہمیت پر کافی زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"تعلیمی ادارے قائم کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اوّل اس لئے کہ شریعت کے بغیر طریقت نہیں حاصل ہو سکتی۔ دوسرے اس لئے کہ انبیاء و مرسلین صرف نمازوں اور اودوظائف ہی کیلئے دنیا میں نہیں تشریف لائے بلکہ عبادت و اعمال کے ساتھ دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے بھی بھیجے گئے۔ نماز روزے اور اودووظائف سے آدمی خود تو سنبھل سکتا ہے لیکن دوسروں کو سنبھالنے کے لئے علم دین کی ضرورت ہے۔"

(فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ صفحہ ۹ از غلام عبدالقادر رابع علیگ صاحبزادہ شعیب الاولیاء)

آج کل بہت سارے پیر اور شہرت کے پجاری علماء اگر کہیں پر کوئی چھوٹا سا مکتب قائم کرتے ہیں تو اس میں اپنی شہرت کے لئے اپنے نام سے موسوم کرتے ہیں مگر قربان جائیں اس پیکر اخلاص شخصیت پر کہ جس نے اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی تو اس دارالعلوم کا نام بجائے دارالعلوم یار علویہ کے دارالعلوم فیض الرسول رکھا تاکہ رسول پاک کے فیضان و کرم سے ہمیشہ وابستہ رہے اور آج بیشک فیض الرسول میں فیض رسول پاک جاری ہے کہ پورا ہندوستان و پاکستان ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ و ایشیا کے بیشتر ممالک

میں فیض الرسول کے فارغین تشنگان علوم دینیہ کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ فقیر راقم بھی اسی بارگاہ کا خوشہ چین ہے کوئی تعلی و تفوق نہیں معاذاللہ۔ بلکہ بطور تحدیث نعمت عرض ہے کہ راقم السطور کی قلمی کاوشوں کا پانچ چھوٹے بڑے رسالوں کی شکل میں ثمرہ قوم کی ہاتھوں میں پہونچ چکا ہے۔(۱) برق خداوندی بر فتنہ الحادی (۲) نور ایمان (۳) اہل قبلہ کون؟ (۴) مرتدوں سے ترک موالات کا حکم (۵) اسلام اور قادیانیت۔

یاد رہے کہ دارالعلوم فیض الرسول کے افتتاح کے بعد شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ اس کا نام دارالعلوم یار علویہ رکھا جاتا تو کیا حرج تھا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا ملاحظہ ہو۔

> "درس و تدریس کا یہ دینی ادارہ ہے در حقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہی فیض ہے۔ اس کا نام دارالعلوم فیض الرسول ہونا ہی مناسب ہے کہ اسم با مسمّیٰ ہو جائے اپنے نام نمود کو دخل دینے سے اخلاص باقی نہ رہتا"

اسی جذبۂ اخلاص کی تاثیر ہے کہ آج اہل علم کے ہر طبقہ سے دارالعلوم فیض الرسول کیلئے دعائیں نکلتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ اکابرین کے تاثرات دارالعلوم فیض الرسول کے بارے میں بھی پیش کروں۔ مگر مضمون بڑھ کر رسالہ ہو جائے گا اسی لئے طوالت کے سبب ترک کئے دیتا ہوں۔ آئندہ انشاالمولیٰ تعالیٰ کبھی پورا ہو جائیگا۔ الغرض دارالعلوم فیض الرسول کے داخلہ فارم سے لیکر سند الفراغ تک اگر آپ دیکھیں تو تمام تر توجہات مسلک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کو عام کرنا خاص مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ماہنامہ فیض الرسول کا اجراء ہوا تو اس وقت سے آج تک ربع صدی کا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت کے مشن پر قائم ہے اور رہے گا انشاللہ۔ نیز اس کے صفحۂ اوّل پر سرخیوں کے ساتھ لکھا ہوتا ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان۔ اور اہل سنت کا نقیب ماہنامہ فیض الرسول۔

معلوم ہوا کہ شعیب الاولیاء کا ہر کام مسلک اعلیٰ حضرت محدث بریلوی ہی کے مشن پر ہوتا تھا بلکہ کہہ لیجئے کہ روح شعیب الاولیاء کی تھی اور روحانیت امام احمد رضا بریلوی کی تھی کہ عوام تو دور رہے خواص کو بھی جانے دیجئے اخص الخصین کا وہ طبقہ جن کی شخصیت آفاقی ہے اور جن کی فکر و نظر پر سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو اعتماد کلی ہے۔ ان کا اعتراف و رجوع اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

مرد حق آگاہ کے اخلاص بے پایاں کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ چونکہ جذبۂ اخلاص وایثار کی بات آگئی ہے تو مجھے مقدمۂ فیض آباد یاد آگیا جبکہ اس کے علاوہ بہت سارے شواہد ودلائل واقعات کی روشنی میں ملتے ہیں۔ مگر مالا یدرک کلہ لا تیرک کلہ کے تحت صرف مقدمۂ فیض آباد ذکر ہے ملاحظہ ہو۔

شعیب الاولیاء اور مقدمۂ فیض آباد : حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے دین وسنیت مسلک اعلیٰحضرت کی نشر واشاعت اور حفاظت وصیانت کیلئے جس طرح ضرورت پڑی قربانیاں پیش کی ہیں جس کے سیکڑوں گواہ آج بھی موجود ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی مقدمۂ فیض آباد بھی ہے جو ۱۹۴۶ء میں وقوع پذیر ہوا۔

یاد رہے کہ ضلع فیض آباد میں سلطانپور روڈ پر ۱۸ کلو میٹر دور واقع قصبہ بھدرسہ ٹاؤن ہے جہاں پر وہابی دیوبندی اور سنی بریلوی دونوں جماعتیں آباد ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں مظہر اعلیٰ حضرت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کی تقریر بیچ قصبہ پاکڑ کے پیڑ کے نیچے ہوئی اور بحمدہٖ تعالیٰ رد بلیغ ہوا تو ایوان نجد میں بھونچال آگیا۔ وہابیوں نے عقل وخرد کھو کر قرآن وحدیث سے فیصلہ طلب کئے بغیر دنیادار کافر حکمراں کا فیصلہ حاصل کرنے کیلئے فیض آباد کورٹ سے مدد طلب کی جبکہ ان کے یہاں اللہ کے علاوہ مدد طلب کرنا شرک ہے مگر جب اپنی اٹکتی ہے تو شریعت کا خون کر کے جائز کر لیتے ہیں۔ کوے کو گندہ کھودنے کی عادت ہے تو حلوہ کی طرف کیسے بڑھے اور بھنگی کی ناک کو پاخانہ سونگھنے کی عادت ہے تو عطر کی خوشبو کیسے پسند آئے۔ الغرض مقدمہ قائم ہوا اور چلا۔ علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ پیشی پر پہونچتے۔ راویۂ عرض ہے کہ بسا اوقات دیکھا گیا کہ حضور مظہر اعلیٰ حضرت کچہری پر تنہا ہیں اور حالات خستہ ہیں۔ شاید ایسے ہی حالات کو دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا کہ بھدرسہ کوفہ ہے یہاں کے لوگوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ بقول عوام بھدرسہ۔

جب اس واقعہ کی اطلاع شعیب الاولیاء الشاہ صوفی یار علی علیہ الرحمہ کو ملی تو بقیۃ السلف مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی تحریر فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

> آپ نے (شعیب الاولیاء) سخت سے سخت تر خطرناک موقعہ پر بھی مظہر اعلیٰ حضرت کا ساتھ نہ چھوڑا جس زمانہ میں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت پر بھدرسہ ضلع فیض آباد کے وہابیوں نے مقدمہ دائر کر رکھا تھا تو حضرت شاہ صاحب کو جب اطلاع ملی تو ایک خطیر رقم شیر بیشۂ سنت کو نذر پیش کیا۔

(ماہنامہ فیض الرسول جنوری، فروری ۱۹۸۰ء۔ از مفتی شریف الحق امجدی)

مقدمہ تقریباً دو سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۴۷ء کا زمانہ جس میں اہل سنت کو فتح مبین حاصل ہوئی انتہائی خوش کن ہے۔ یہ سب کچھ حضور شعیب الاولیاء و مظہر اعلیٰ حضرت کے جذبۂ اخلاص کا نتیجہ ہے۔

یاد رہے کہ شہر فیض آباد بھی اپنی قسمت پر ناز کر رہا ہوگا جس دن اس کے آغوش میں شعیب الاولیاء اور مظہر اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تقدیر بن کر چمک رہے تھے۔ مظہر اعلیٰ حضرت چونکہ ایک فریق تھے اس لئے کورٹ میں موجود رہنا لازم تھا تاکہ وہاں پر اہل سنت کی ترجمانی کریں اور شعیب الاولیاء جو کہ ایک مرد حق آگاہ تھے ملت اسلامیہ کی تقدیر سنوارنے کیلئے دست بدعا ہوگئے اور شہر فیض آباد کے محلہ قصاب باڑہ کی مسجد میں تشریف فرما ہو کر وہاں سے کچہری تک مریدوں کی ڈاک بٹھال دی اور فرمایا کہ ہر آدھا گھنٹہ پر کچہری کے حالات بتائے جائیں۔ بات آگئی تو عرض ہے کہ فیصلہ کے دن شیر بیشۂ سنت نے فرمایا کہ شاہ صاحب! اگر مقدمہ ہار گئے تو کیا ہوگا؟ برجستہ حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے فرمایا، مولانا مقدمہ ہارنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بالفرض خدانخواستہ ایسا ہوا تو سب سے پہلے بیڑیاں میں پہنوں گا اس کے بعد آپ کی بات آئیگی۔ کم سے کم سنت صحابہ تو ادا ہوگی۔ الغرض کچہری کے حالات ہر آدھے گھنٹے بعد سنائے جارہے ہیں۔ ادھر کچہری میں وکیل کے بجائے خود مظہر اعلیٰ حضرت بحث فرمارہے ہیں اور جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو شعیب الاولیاء کو اطلاع ملی کہ فیصلہ لکھا جارہا ہے۔ آپ فوراً سجدے میں گر گئے اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوگئے کہ اے مولیٰ ملت اسلامیہ کی ناموس اور اس کی حفاظت کا کام جس طرح ہو سکا ہم لوگوں نے کیا اب اس کو بچانا تیرا کام ہے تو ہی محافظ حقیقی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب تک فیصلہ لکھ کر سنایا نہیں گیا اس وقت تک آپ نے سجدے سے سر کو اوپر نہیں اٹھایا۔ بحمدہٖ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو عزت ملی اور فیصلہ اس کے حق میں ہوا اور وہابیت کا سر قلم ہوا اور اس کے غلط ہونے پر رجسٹرڈ ہو گیا۔ مذکورہ مقدمہ کی جیت جماعت اہل سنت کیلئے زبردست فتح و کامرانی کی علامت ہے جب تک دنیا قائم رہیگی اس مقدمہ کی جیت کے ساتھ کبھی بھی حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمۃ کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یاد بھی کیا جائیگا تو روح کی حیثیت سے کیونکہ آپ کی دعاء سحر گاہی کا نتیجہ ہے جو آج فتح کا علم بلند ہے۔ ساری رونق تیرے دیوار و در کی ہے اے آتش۔ یوں ہی شعیب الاولیاء کے تصرفات بیشتر ہیں قلم بند کئے جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

شعیب الاولیاء اور مناظرہ سُنہٹیا: موضع سُنہٹیا ضلع بلرامپور میں قصبہ و تحصیل اترولہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر دور پورب میں واقع ایک دیہات ہے جو دریائے راپتی کے بالکل قریب ہے۔ دریا کے پچھم میں سُنہٹیا، پورب میں بھر ولیہ اور بیت النار (بیت نار) وہابیوں کا گاؤں ہے۔ حیات شیر بیشہ سنت میں مناظرہ طے ہوا اور سُنہٹیا گاؤں کے پورب باغ میں اجتماع ہوا۔ ایام مناظرہ میں شعیب الاولیاء شیر بیشہ سنت کے ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ مناظرہ شروع ہوا تین دن تک چلا اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آرہا تھا۔ تیسرے دن شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ نے شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ شاہ صاحب کیا ہوگا۔ حضرت شعیب الاولیاء نے برجستہ فرمایا مولانا انتظام کیجئے کل لاٹھی چلے گی اور بد دین جھگڑے پر آمادہ ہوں گے۔ چنانچہ چوتھے روز جیسے ہی مناظرہ کا افتتاح ہوا اور ادھر شیر بیشہ اہل سنت تقریر کررہے تھے کہ بد دینوں نے حملہ کردیا۔ بس کیا تھا قریب ہی میں ایک پرانا بھٹہ اینٹ کا موجود تھا۔ سنی حضرات نے اس پر قبضہ کرلیا اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر مارنا شروع کیا تو لاٹھیاں چھوڑ کر سب لوگ بھاگے۔ (میرے والد محترم مرحوم بھی اس میں شریک تھے چشم دید واقعہ بیان کیا) اب جبکہ لاٹھیاں چھوڑ کر بھاگے تو بس انھیں کی لاٹھی اور انھیں کا جسم خوب پٹائی کی گئی اور سنی حضرات مارتے تو چاروشانہ چت کر کے کہتے (یاغوث المدد نہ مارو بھیا ہم سنی ہوئی جات بستی کی بولی میں)

بحمدہٖ تعالیٰ لڑائی اور علمی دونوں میدان میں مناظرہ کامیاب رہا۔ ہم یہاں پر اپنے موضوع شعیب الاولیاء کی کرامت اور ان کے تصرفات پر گفتگو کر رہے تھے دیکھیے ایک دن پہلے خبر کردی کہ مولانا انتظام کیجئے جھگڑا ہوگا۔ مذکورہ واقعہ کے گواہان اس دور میں موجود حضرات اب بھی حیات ہیں مثلاً حاجی میاں خاں ناظر شاہ وغیرہ اور ہمارے گاؤں محمد پور جو سُنہٹیا سے ۶ کلومیٹر اتر آباد ہے آج بھی لوگ چشم دید گواہی دیتے ہیں۔

حضرات! ناظرین! تصرفاتِ شعیب الاولیاء پر کبھی توفیق ربانی ہوئی تو باضابطہ کتاب کی شکل میں آپ تک پہونچانے کی کوشش کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں پر مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے تحت حاضر خدمت ہے مولائے قدیر قبول عام و تام فرمائے۔ آمین اور فقیر راقم السطور کیلئے ذریعہ نجات بنائے اور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ والرضوان کے روحانی فیوض وبرکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

رودادِ پاکستان

قسط ۵

تیسرے دن (جمعہ ۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء) کو لاہور میں میرا آخری دن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں لاہور میں تین دن رہا اور میں نے لاہور کو دیکھا ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں لاہور کی سیاحت کیلئے نہیں آیا تھا میرا تو مقصد ہی احباب اہل سنت سے ملنا تھا۔ لیکن اللہ بھلا کرے محترم فاروقی صاحب کا جنھوں نے میرے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے لاہور کے چند تاریخی مقامات کی سیر کرادی۔ اس دن فاروقی صاحب اپنے ایک نواسہ اور پوتی پوتے کے ہمراہ مجھے گاڑی میں بٹھا کر لے چلے۔ سب سے پہلے ہم مینارِ پاکستان پر گئے۔ جس کے مینار کی اونچائی پر کھڑے ہو کر میں نے شہر لاہور کی زیارت کی۔ گویا کہ لمحوں میں لاہور دیکھ لیا۔ مینارِ پاکستان کی اپنی تاریخی اور سیاسی اہمیت ہے جو تاریخی کم اور سیاسی زیادہ ہے چونکہ موجودہ دور کی سیاست منافقانہ ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔

مینارِ پاکستان کے مقابل ہی لاہور کی مشہور شاہی مسجد ہے۔۔۔۔۔۔۔اسی مسجد کے احاطہ میں بائیں جانب بر صغیر کے عظیم صوفی شاعر علامہ اقبال مدفون ہیں۔ ڈاکٹر علامہ اقبال پاکستان کے بانیین میں شمار ہوتے ہیں اسی لیے حکومت پاکستان نے اُن کے مزار کی حفاظت کیلئے فوجیوں کا پہرہ لگا رکھا ہے۔ علامہ اقبال بھی امام احمد رضا کے ہم عصروں میں سے تھے لیکن ان دو حضرات کی ملاقات کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ایک ملاقات میں ڈاکٹر اقبال نے امام احمد رضا سے متعلق کہا تھا......

> "مولانا احمد رضا خان ذہین اور باریک بین عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاوٰی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بھرپور اور پاک و ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہہ تھے۔
> ہندوستان کے اس دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ مشکل ملے گا۔"

وہاں سے ہم مکتبۂ نبویہ پر لوٹے۔ آج پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب بھی اتفاقیہ ہی آگئے۔ شائد ان سے ملاقات بھی مقدر میں تھی۔ موصوف زمیندار کالج، گجرات پاکستان میں پروفیسر ہیں۔ اردو شعر و ادب میں مہارت رکھتے ہیں اور پائے کے نقاد ہیں۔ میری معلومات کے مطابق موصوف کی شہرت میں

اس وقت زیادہ اضافہ ہوا جب اُن کی کتاب "سلام رضا۔ تضمین و تفہیم اور تجزیہ" منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب ویسے تو اردو زبان کے شعر و ادب کی تنقید اور تحقیق کا معلوماتی خزینہ ہے۔ اور امام احمد رضا کے سلام رضا پر لکھی ہوئی تضمینوں پر تنقیدی تجزیہ ہونے کی نسبت سے رضویات کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ بھی ہے۔ لیکن اس کتاب میں چند مشہور شخصیات پر بے جا تنقیدات نے کتاب کے حسن کو غارت کر دیا ہے (ویسے موصوف کا خیال ہے کہ بعض حضرات نے تضمین کے شوق میں اعلیٰ حضرت کے کلام کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے اور سلامِ رضا کی تضمین کو محض چوں کا کھیل سمجھ کر تضمیوں پر تضمینیں لکھ ماری ہیں اس لئے انھوں نے اس کتاب میں تضمین نگاروں پر زبردست تنقید کی ہے۔) حال ہی میں ہندوستان سے مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب نے اس کتاب کا جواب بعنوان "پروفیسر کعبی کی سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ کا تنقیدی جائزہ" لکھا ہے جو ادارہ افکارِ حق بائسی، پورنیہ، بہار سے شائع کیا گیا ہے۔

پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب امام احمد رضا پر بہت اچھے مضامین لکھتے ہیں۔ ان کا ایک مقالہ ہم نے "افکارِ رضا" (شمارہ اپریل تا جون ۱۹۹۷ء) میں بعنوان "امام احمد رضا خاں بریلوی ایک جامع الصفات شخصیت" شائع کیا تھا۔ جو قارئین افکار رضا نے بہت پسند کیا۔ اس وقت بھی وہ ایک مقالہ فاضل بریلوی کے ایک شعر کی تشریح سے متعلق لکھ کر لائے تھے جس کی ایک فوٹو کاپی نکال کر مجھے دی اور اصل فاروقی صاحب کو جہان رضا میں اشاعت کیلئے دیدی۔

اسی طرح ملنے جلنے والوں کے ساتھ وقت گزر گیا۔ پھر میں فاروقی صاحب کے صاحبزادے جاوید میاں کے ساتھ بازار گیا تاکہ اپنے اہل خانہ کے لئے کچھ تحفے خرید سکوں۔ واپس لوٹنے تک جانے کا وقت قریب آچکا تھا شام ٦ بجے کی گاڑی تھی۔ فاروقی صاحب سے اجازت لی۔ بیچارے فاروقی صاحب بہت محبت والے آدمی ہیں مجھ سے بہت اپنائیت کا اظہار کیا۔ کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے اپنے گھر لے جاکر ٹھہرایا۔ ہر طرح خیال رکھا۔ کئی بار کہا کہ تم یہیں پر رک جاؤ اور لاہور سے ہی افکار رضا نکالا کرنا۔ لیکن میں نے کہا کہ یہاں پر آپ ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت فروغ پا رہا ہے لیکن ہندوستان میں اس کام کی بہت ضرورت ہے وہاں جیسے یہ میدان بالکل خالی ہے۔ ہم نے آپ کی نقالی میں یہ کام وہاں شروع کیا ہے اور بیشمار لوگوں کے خطوط ہمیں موصول ہوئے جس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ ہمارا کام کچھ حد تک اس خلا کو پُر کر رہا ہے۔ اس لیے میرا ہندوستان جانا ضروری ہے۔ بس آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔

تمام احباب واصدقاء سے مل کر میں اسٹیشن پہنچا اور کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔

لاہور سے دوسرے دن (سنیچر ۲۵، جولائی ۹۹ء) دوپہر سولبارہ بجے میں کراچی پہنچا۔ نہا دھو کر اور کھانے سے فراغت کے بعد میں ناور گیا۔ وہاں چند کام نمٹا کر رضا چوک (ریگل) پہنچا۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے رفقاء نے میری واپسی پر خوشی کا اظہار کیا جیسے ان کا کوئی عزیز عرصہ بعد لوٹا ہو۔ ادارہ کے دفتر میں اس وقت برادرم اقبال احمد اختر القادری صاحب، ترک ولی محمد قادری صاحب، زاہد بھائی و خالد بھائی موجود تھے۔ اقبال بھائی نے مجھے اپنے چند مقالات افکار رضا میں اشاعت کیلئے دیئے۔

وہاں سے زاہد بھائی مجھے اپنے ہمراہ بغرضِ تفریح "ہل پارک" (Hill Park) نامی تفریح گاہ لے گئے۔ یہ تفریح گاہ پہاڑی پر ایک پُر فضا گارڈن کی شکل میں ہے جہاں پہنچ کر آدمی کی طبیعت مسرور ہو جائے۔ یہاں پہاڑی کی اونچائی سے کراچی شہر دور دور تک نظر آتا ہے۔

آج دعوت اسلامی کا ہفتہ واری اجتماع تھا اس لیے میں وہاں سے سیدھا سبزی منڈی مرکزِ دعوت اسلامی گیا۔ جب میں پہنچا اس وقت مولانا الیاس قادری صاحب کی تقریر ہو رہی تھی۔ میں پاکستان میں دعوت اسلامی کے کاموں میں اپنے لئے غیر فطری کشش محسوس کرتا ہوں اس لئے کراچی کے مرکزی اجتماع میں ضرور شرکت کرتا ہوں ایک میں ہی کیا میں نے ہزارہا افراد کو دعوت اسلامی کی غیر معمولی کشش کی بناء پر اجتماع میں آتے دیکھا ہے اور سنتوں کا پیکر بنتے دیکھا ہے۔ یوں تو ممبئی میں بھی ہفتہ واری اجتماعات ہوتے ہیں مگر میں وہاں دیگر مصروفیات کی بناء پر بہت ہی کم شرکت کرتا ہوں۔

مولانا الیاس قادری صاحب کا بیان ختم ہوتے ہی میں گھر لوٹ آیا۔

اتوار ۲۶، جولائی ۹۸ء...... صبح جلد بیدار ہو گیا۔ حالانکہ لاہور سفر کی تھکن ابھی اتری نہیں تھی مگر دوبارہ نیند نہیں آئی۔ آج میں نے حضرت مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے ملاقات کا وقت لے رکھا تھا۔ اس لئے تیار ہو کر ان کے کاشانۂ اقدس کی طرف روانہ ہوا۔ ساتھ میں خالہ زاد بھائی کو ہمراہ لے لیا تھا کیونکہ کراچی میں کسی کا پتہ تلاش کرنا نئے آدمی کیلئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اگر کسی کا مکمل پتہ موجود ہو تب بھی تلاش کرنے میں بہت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں دکانوں کے سائن بورڈوں پر مکمل پتہ لکھنے کا چلن نہیں ہے کہ آدمی خود راستوں کے نام اور دکانوں کے نمبر دیکھتے ہوئے اپنا مطلوبہ پتہ تلاش کر لے جبکہ پتہ دریافت کرنے پر پڑوس کا دکاندار بھی بغل والے کا پتہ نہیں بتا پاتا۔ یہی حال مکانوں کے پتے تلاش کرنے کا بھی ہے کہ

گھروں کے نمبر ندارد...... یا ہیں بھی تو نمبروں کی ترتیب بے سرو پا...... اور پڑوسی پڑوسی سے بے خبر۔ حضرت مسعود ملت جیسی مشہور ہستی کی رہائش گاہ ہم آدھا گھنٹہ میں دریافت کر سکے۔

حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد...... وہ نام ہے جسے سنّی کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پروفیسر مسعود صاحب اہل سنت کے عظیم محسن ہیں۔ ان کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے ہم سنیوں کو بتایا کہ اعلیٰ حضرت کون تھے...... بد مذہبوں سے اعتراف کروایا کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔ پروفیسر مسعود صاحب نے جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شخصیت کا دنیا بھر میں تعارف کروانا شروع کیا تو بد مذہب گھبرا کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم نے تو مولانا احمد رضا بریلوی کو دفنا دیا تھا مگر پروفیسر صاحب نے دوبارہ انھیں زندہ کر دیا۔

بلاشبہ آج ہمارے پاس اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے متعلق جو کچھ بھی معلومات ہے ان سب کا بنیادی ماخذ پروفیسر مسعود صاحب کی اعلیٰ حضرت سے متعلق تحریریں ہیں۔ احقر اپنے اندر اس قدر علمی استعداد نہیں پاتا کہ حضرت مسعود ملت کی شخصیت کا صحیح تعارف کروا سکے۔ لیکن احقر کو ہمیشہ اس بات کا افسوس رہتا ہے کہ حضرت مسعود ملت کی اس قدر گراں بہا خدمات اور مخلصانہ جدو جہد کو ہماری جماعت کے کچھ علماء و دانشور حضرات تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک پایہ کے مفتی کو یہ اعتراض کرتے سنا کہ پروفیسر صاحب ردّ وہابیہ کیوں نہیں کرتے۔ تب مجھے ان کی کم علمی کا افسوس ہوا۔ میں نے انھیں بتایا کہ پروفیسر صاحب نے اسمٰعیل دہلوی کی گستاخانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کا ردّ "نور و نار" کے نام سے لکھا ہے جو ہندوستان میں "اُجالا" کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

عقل مند کو اشارہ کافی ہوا کرتا ہے اس کیلئے نام لینا ضروری نہیں رہ جاتا۔ پروفیسر صاحب کا ردّ وہابیہ کرنے کا اپنا انداز ہے۔ اُن کے اسی طرزِ تحریر کی وجہ سے آج دنیا بھر میں ان کی کتابوں سے استفادہ کر کے لاکھوں لوگوں نے اپنے دین و ایمان کو سنوارا، مستحکم کیا اور اپنے عقاید کو محفوظ کیا ہے۔ معترضین جو خود تو کچھ نہیں کرتے بیکار میں اُن کو بد نام کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کی بہت سی تحریریں ابھی تک ہندوستان میں نہیں آسکی ہیں اس لئے لوگوں نے ابھی تک ان کو مکمل طور پر پہچانا نہیں ہے۔ یہاں پر میں نے ان کے وہ مقدمات دیکھے ہیں جو انھوں نے پاکستانی علماء کی ردّ وہابیہ کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں پر لکھے ہیں۔ پروفیسر فیاض احمد خان کاوش کی کتاب "ننگ دیں، ننگ وطن" اور مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کی تصنیف "سفید و سیاہ" پر لکھے ہیں جن میں نام لے کر وہابیوں کا ردّ کیا گیا ہے۔

یہاں پر "سفید و سیاہ" کی تقدیم سے ایک اقتباس نقل ہے:

"سفید و سیاہ" میں مخالفین کے اعتراضات اور الزامات کے جوابات کے ساتھ ساتھ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام، حضرات اہل اللہ رحمہم اللہ اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں علمائے وہابیہ اور علمائے دیوبند کے افکار و خیالات کا محاسبہ کیا گیا ہے اور زیرِ بحث انگریزی کتاب کی بعض علمی خیانتوں کا تعاقب بھی کیا ہے...... فقیر کے خیال میں دورِ جدید میں علمی خیانت کرنے والے کو پشیمانی اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا...... ایسی باتیں اہلِ علم کو زیب نہیں دیتیں......" ("سیاہ و سفید" تقدیم صفحہ ۱۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اسی تقدیم میں حضرت مسعود ملت نے ہم سنیوں کو ایک اہم درس دیا ہے:

"اس وقت عالمی سازش کے تحت نئے نئے فرقے ابھر رہے ہیں اور فکر و نظر میں انتشار کا سیلابِ عظیم امنڈ رہا ہے، ہر فرقہ افرادی قوت، اہلِ سنت ہی سے حاصل کر رہا ہے، ہم جانے والوں کو سمجھانے کی بجائے چھوڑتے چلے جا رہے ہیں، یہ دانائی و حکمت کے خلاف ہے...... اپنی کھوئی ہوئی متاع کس کو عزیز نہیں ہوتی، ہر شخص حاصل کرنے کی آرزو رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ واپس مل جائے...... ہم کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری افرادی قوت ہم کو واپس مل جائے اور ہم متحد ہو جائیں، پھر دنیا اہلِ سنت و جماعت کی وہی شان و شوکت دیکھے جو ایک ڈیڑھ صدی قبل سلطنتِ عثمانیہ کی صورت میں دیکھ چکی ہے......" ("سفید و سیاہ" صفحہ ۱۶)

حضرت مسعود ملت آئے اور ہم سے بہت تپاک سے ملے۔ ہماری خوب مہمان نوازی کی اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا۔ پھر اپنی تازہ مطبوعات کے ایک ایک نسخے ہدیتاً ہمیں عنایت کیے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ان کی کتابوں کے اب انگریزی اور عربی زبانوں میں بھی تراجم شائع ہونے لگے ہیں۔ حضرت مسعود ملت خود ایک ادارہ، ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ بے چارے تن تنہا اپنے سارے کام انجام دیتے ہیں۔ بے شمار کتابوں کو پڑھنا، ان کو اپنی تحقیقات کے سانچے میں ڈھالنا، مسودات کو صاف کرنا، کتابت کی تصحیح کرنا، روزانہ کے آئے ہوئے بیسیوں خطوط کے جواب دینا نیز دوسروں کی کتابوں پر بھی تبصرے، مقدمات یا تعارف لکھنا وغیرہ مشاغلِ کثیرہ وہ تن تنہا سر انجام دیتے ہیں۔ میرے دل میں یہ خواہش جاگی کہ کاش میں ان کا دست بازو بن سکتا تو اپنی آخرت سنوار لیتا لیکن آدمی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ بس مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ حضرت نے

ہمارے لیے دعا فرمائی اور ہم ان سے رخصت ہوئے۔

ہم واپس لوٹ رہے تھے کہ اُن کے بھتیجے مفتی محمد مکرم صاحب (شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) سے ملاقات ہوگئی جو کہ پروفیسر صاحب کے صاحبزادے کی شادی کے سلسلہ میں دہلی سے تشریف لائے تھے۔ موصوف نے بھی امام احمد رضا کے حوالے سے کام کیا ہے۔ کئی سال قبل ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے اُن کی تحقیق و تالیف "فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی مطالعہ" شائع کی، جسے کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ موصوف نے اپنے چچا یعنی ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی بین الاقوامی سلسلۂ اشاعت کی چند کتابوں کے عربی میں تراجم بھی کیئے ہیں۔ موصوف بھی احقر کی کاوشوں سے متاثر تھے اس لیے خوب حوصلہ افزائی کی۔

گھر لوٹا۔ کھانا کھا کر کچھ خریداری کیلئے گیا۔ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری کے برادرِ اصغر سرفراز احمد اختر القادری کا فون آیا تھا۔ انھوں نے ایک محفل میلاد کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ پتہ انھوں نے لکھوا دیا تھا۔ میں شام سات بجے پروگرام میں شرکت کیلئے گھر سے روانہ ہوا۔ بفر زون کے علاقہ میں حضرت مسعودِ ملت کے ایک مرید کے گھر میلاد کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں پہنچا تو پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ حضرت مسعودِ ملت، مفتی مکرم صاحب کے علاوہ کئی علماء کرام، مشائخ عظام اور دانشور حضرات جنھیں میں جانتا نہیں تھا اسٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ بیانات کا سلسلہ جاری تھا بیچ بیچ میں نعت خوانوں کو بھی موقع دیا جاتا کہ آقا سرورِ کائنات کی بارگاہ میں نعتوں کے گلدستے نچھاور کیے جائیں۔ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا جب میں نے دیکھا کہ اس بظاہر چھوٹی سی محفل میں آئے ہوئے مقررین نے پُر مغز تحقیقی مقالوں سے سامعین کے اذہان کو علم کے نور سے منور کیا۔ مختلف موضوع پر تقاریر ہوئیں جن میں سے کچھ مقالے شخصیات پر بھی مبنی تھے۔ جب حضرت مسعودِ ملت کھڑے ہوئے تو میں ان کا رعب و دبدبہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ یہاں پر میں نے حقیقت میں جانا کہ پروفیسر مسعود احمد صاحب کیا ہیں۔ اب تک تو صرف ان کی کتابیں ہی پڑھی تھیں۔ میں نے ان کا یہ جلوہ زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ یہاں وہ ایک پیر و مرشد کی حیثیت سے اپنا فیض لٹا رہے تھے۔ اس گناہ گار کو ان کی تقریر تو یاد نہیں البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ انھوں نے دورانِ تقریر بہت اچھے انداز میں ردِ وہابیہ بھی کیا تھا مجھے ان کے معترضین پر حیرت ہوتی ہے کہ خود تو کچھ کام کرتے نہیں دوسروں کے کام میں نکتہ چینی کر کے لوگوں کو ان سے بد ظن کرتے رہتے ہیں۔ اور بیکار میں ان کے تعمیری کاموں میں رکاوٹ

ڈالتے رہتے ہیں۔ اب حاسدین کو کچھ نہ ملا تو شوشہ چھوڑ دیا کہ حضرت مسعودِ ملت ردّ وہابیہ نہیں کرتے۔

وہیں پر میں نے پہلی دفعہ حضرت مفتی مکرم صاحب کی تقریر بھی سنی۔ پروگرام کے اختتام کے بعد نماز باجماعت کا اہتمام کیا گیا۔ پھر مُد تکلف ضیافت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ پھر ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہاں پر میری ملاقات ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری صاحب کے برادرِ اصغر سرفراز احمد اختر القادری سے ہوئی جن کے بارے میں کئی مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے خطوط میں لکھا تھا کہ میں الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور سے معلومات حاصل کر کے بتاؤں کہ کوئی پاکستانی طالب علم وہاں کس طرح تعلیم حاصل کرسکتا ہے تاکہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو ہندوستان کے نامور اور جید علماء سے تعلیم دلوا سکیں۔ لیکن ان کی یہ آرزو تشنہ ہی رہی اور کوئی راہ نہ نکل سکی۔ اس وقت ان کے بھائی کراچی کے ایک دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں جو علامہ شاہ احمد نورانی مد ظلہ العالی کا قائم کردہ ہے اور جہاں انگریزی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ وہاں ہماری صرف رسمی سی علیک سلیک ہوئی۔ ڈاکٹر اقبال صاحب نے حضرت مسعود ملت کے صاحب زادے محمد مسرور احمد سے احقر کا تعارف کروایا۔ موصوف بھی اپنے والد محترم کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ اور تحقیق و تالیف کے کاموں میں جہدِ مسلسل کر رہے ہیں۔

رخصت کے وقت تمام حاضرین کو حضرت مسعودِ ملت صاحب کی ایک کتاب تحفتاً پیش کی گئی۔ جو کہ ان کے یہاں کا معمول ہے کہ ہر مجلس کے اختتام پر پروفیسر صاحب کی کوئی نہ کوئی کتاب تقسیم کی جاتی ہے۔ پھر میں وہاں سے رخصت ہوا۔

پیر ۲۷، جولائی ۱۹۹۸ء...... تمام کاموں سے فراغت کے بعد ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے آفس روانہ ہوا۔ جہاں اقبال بھائی، زاہد بھائی، ترک ولی محمد صاحب سے ملاقاتیں ہوئی۔ آج ترک صاحب نے میری ضیافت کا اہتمام کیا تھا اور جس کے لیے وہ اپنے گھر سے کھانا بنا کر لائے تھے۔ ہم سب نے کھانا تناول فرمایا۔ اقبال بھائی سے معلوم ہوا کہ ان کے بھائی سرفراز احمد مجھے کہیں سیر کیلئے لے جانے کیلئے آنے والے ہیں۔ ان کے انتظار میں مَیں بیٹھا اقبال بھائی کے افکارِ رضا کیلئے دیئے گئے مضامین چیک کرتا رہا۔ اسی اثناء میں جناب مقصود حسین قادری اویسی صاحب تشریف لائے۔ ان سے تعارف ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ کراچی میں حضرت علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے خادمِ خاص ہیں اور علامہ اویسی صاحب کی کراچی آمد پر یہ حضرت ہی ان کا تمام پروگرام سیٹ کرتے ہیں اور ہمہ وقت ان کی خدمت پر مامور رہتے ہیں۔ مجھے علامہ اویسی صاحب کی کوئی کتاب اشاعت کیلئے چاہیے تھی کیونکہ ان کی تقریباً

ڈھائی ہزار کتابوں میں سے بیشتر غیر مطبوعہ ہیں اور انھوں نے اعلانِ عام کر رکھا ہے کہ جو شخص بھی شائع کرنا چاہے وہ لے جا کر شائع کرے۔ مقصود بھائی نے کہا کہ وہ حضرت سے مسودہ حاصل کر کے آپ تک پہنچا دیں گے۔ تقریباً ساڑھے چار بجے سرفراز بھائی آئے۔ ان کے ہمراہ میں کلفٹن گیا۔ سب سے پہلے ہم نے حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضری دی۔ جو کہ سینکڑوں سال سے مرجع خلائق ہے اور جہاں ہمہ وقت زائرین کا جم غفیر رہتا ہے۔

اس مزار مبارک پر میں گزشتہ سفر میں بھی حاضری دے چکا ہوں۔ اُس وقت میں نے دیکھا تھا کہ جن حضرات کی منتیں، مرادیں پوری ہو جاتی تھیں وہ کئی کئی دیگیں کھانا پکوا کر یہاں تقسیم کرنے آتے تھے۔ کیا امیر کیا غریب جو بھی راہ گیر دیکھتا لنگر لوٹنے کیلئے دوڑا آتا۔ اس تبرک کو حاصل کرنا سب اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ میں نے سنا کہ یہاں اسی طرح کا رواج ہے کہ لوگ باگ اپنی منتوں کے پورا ہونے پر لنگر تقسیم کرواتے ہیں۔ اس طرح کا مظاہرہ مجھے ہندوستان میں دیکھنے کا موقع نہیں ملا جو کبھی ہم سنیوں کا وطیرہ رہا ہے۔

کلفٹن، کراچی کی ایک ساحلی تفریح گاہ ہے۔ سیر و تفریح کے دلدادہ لوگوں کیلئے مزید یہاں پر غیر ممالک کے برقی جھولے، برقی کھلونے لگا دیئے گئے ہیں۔ یہاں بطور خاص شام کے وقت لوگ اپنی فیملی کے ساتھ سیر و تفریح کیلئے آتے ہیں۔ مجھے ان سب میں ذرا بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی نجانے کیوں ...... ہم نے عصر اور مغرب کی نمازیں کلفٹن ہی میں ادا کی۔ اور کچھ کھا پی کر رخصت ہوئے۔

منگل ۲۸، جولائی ۱۹۹۸ء ...... آج شام امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری سے ملنے کا پروگرام طے تھا۔ میری ۲، اگست کو ممبئی روانگی تھی اس لیے دن میں کچھ خریداری کرنے میں وقت گزر گیا۔ شام ۶ بجے میں اپنے ماموں زاد بھائی کے ہمراہ پیر الٰہی بخش کالونی کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں پر مولانا الیاس قادری جنھیں عرف عام میں حضرت صاحب کہتے ہیں، کی رہائش گاہ ہے۔ دور روڈ پر سے ہی ان کے گھر پر نصب بڑے بڑے سبز جھنڈے ان کے گھر کی نشان دہی کر رہے تھے۔ یہ جھنڈے عید میلاد النبی ﷺ کی نسبت سے لگائے گئے تھے جو گزشتہ دنوں ہی گزرا تھا۔ ان کا مکان سہ منزلہ ہے۔ مکان سے ملحق ان کے عطر کے کاروبار سے متعلق ایک گودام بھی ہے۔ مکان کے باہر ایک نوٹس بورڈ پر ملاقاتیوں کیلئے ہدایات لکھی ہوئی ہیں جس کے مطابق حضرت صاحب ہفتہ میں چار دن عصر تا مغرب عوام الناس سے ملاقات کرتے ہیں اور سنیچر کے دن اجتماع کے بعد ملاقات کا وقت ہے۔ صدر دروازے میں داخل

ہوتے وقت حضرت صاحب کے محافظین نے ہماری تلاشیاں لیں۔ اسی طرح محافظین ہر منزلہ پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ تیسرا منزلہ جو کہ اس مکان کی میرس ہے وہاں پر حضرت صاحب ایک کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کے دائیں بائیں اور پیچھے بھی محافظین ہتھیار لیے نگرانی کر رہے تھے۔ حضرت صاحب کے سامنے بہت سے افراد فرش پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک طرف طویل قطار لگی ہوئی تھی جو کہ ملاقاتیوں کی تھی۔ اکثر افراد سبز عمامہ میں تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ دعوت اسلامی سے منسلک ہیں۔

مولانا الیاس قادری صاحب، قرآن وسنت کے فروغ کی تحریک دعوت اسلامی کے کام کو تیزی سے فروغ دینے کیلئے پیری مریدی بھی کرتے ہیں۔ یعنی دعوت اسلامی کے اجتماع میں آنے والے شرکاء کو بیعت کرادی جاتی ہے پھر اس سے نمازوں کی پابندی، اجتماعات کی پابندی نیز اسلامی احکامات پر عمل کروا کر اشاعت دین کے کام میں لگادیا جاتا ہے۔ اگر وہ مبلغ نہ بھی بنے مگر اس قدر تو فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ ہمیشہ ایک صحیح مسلمان بن کر رہے۔ حضرت صاحب نے مختصر سا درس دیا پھر بیعت کرائی گئی۔

پھر ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت صاحب ہر ملاقاتی سے بہت انکساری عاجزی سے مل رہے تھے جیسے کہ وہ ان کی اولاد ہوں۔ ملاقاتی مختلف مقاصد کے حصول کیلئے آئے تھے۔ زیادہ تر افراد کسی نہ کسی مسئلہ کیلئے روحانی حل کے طالب تھے۔ ان لوگوں کی ضرورت کے مطابق تعویز یا وظائف دیئے جارہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت صاحب ہر ملاقاتی کو اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی تحفہ مثلاً کیسٹ، کتابچہ، عطر کی شیشی، مسواک، اسٹیکر وغیرہ دے رہے تھے۔ ملنے والوں کی قطار تو بہت لمبی تھی مگر مغرب کی نماز کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے سب کو جلد جلد نمٹایا جارہا تھا۔ جلد ہی میرا نمبر آگیا۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ ممبئی سے آیا ہوں۔ حضرت صاحب نے فوراً مجھے پہچان لیا اور کہا "غالباً افکار رضا" مجھے بہت خوشی ہوئی کہ حضرت صاحب دن بھر سینکڑوں افراد سے ملتے جلتے ہیں پھر بھی مجھے نہیں بھولے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی یادداشت بہت قوی ہے ایک مرتبہ کسی سے ملتے ہیں تو عرصہ بعد ملنے پر بھی وہ اس شخص کو نام سے پکارتے ہیں۔ ہماری ملاقات ممبئی میں نومبر ۱۹۹۷ء کو ہوئی تھی۔ جب حضرت صاحب احمد آباد کے پہلے سالانہ اجتماع میں شرکت کیلئے ہندوستان تشریف لائے تھے یعنی تقریباً آٹھ مہینے بعد بھی وہ مجھ گناہ گار کو نہیں بھولے تھے۔

میں نے دعا کی درخواست کی تو حضرت صاحب نے دعاؤں سے نوازا۔ پھر میرے ہاتھ میں ایک پرچہ پکڑادیا۔ جس میں یہ مضمون چھپا ہوا تھا۔

لنگرِ رضویہ : مدینہ! آج بعد نمازِ مغرب آپ کو غریب خانہ پر دعوتِ طعام ہے۔ (اگر کوئی ساتھ ہے تو اس کو بھی لا سکتے ہیں) پتا: بیتُ الفنا، پیر کالونی، کراچی۔

ہم لوگ قریب کی مسجد میں نماز مغرب ادا کر کے دوبارہ حضرت صاحب کے مکان پر گئے۔ حضرت صاحب نے تمام شرکاء کو اپنے ہاتھوں سے کھانے کا تھال پیش کیا اور کھانے کی دعا پڑھا کر چلے گئے۔ ہم کھانے سے فارغ ہو کر گھر لوٹ آئے۔

بدھ ۲۹، جولائی ۱۹۹۸ء ...... آج کا دن کوئی خاص سرگرمی نہ تھی۔ تفسیر نعیمی اور چند کتابیں خریدا۔ چند خطوط لکھا۔ اور تحریک منہاج القرآن سے پروفیسر طاہر القادری صاحب کی چند کتابیں خریدا۔ دوسرے دن ڈاکٹر اقبال صاحب اور سرفراز بھائی کے ساتھ ٹھٹھہ جانے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

جمعرات ۳۰، جولائی...... علی الصبح بیدار ہوا اور تیار ہو کر نکلا۔ بذریعہ بس ہم لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں سے ٹھٹھہ جانے کیلئے بسیں ملتی ہیں۔ ہم نے ترک ولی محمد قادری صاحب سے بھی چلنے کی فرمائش کی تھی مگر وہ نہیں آئے۔ راستہ میں ہم نے ناشتہ کیا۔ پھر ۳۰۔۸ بجے بس میں سوار ہو کر ہم نکل پڑے۔ بس کے مسافرین کی منزل ٹھٹھہ تھی جن کا مقصد زیارت مزارات اولیاء اور حصول فیض و برکات تھا لیکن زائرین کی ۷۰ فیصد تعداد عورتوں پر مشتمل تھی۔ چونکہ آج جمعرات تھی اس لئے سب درگاہوں کی طرف جارہی تھیں بعد میں معلوم ہوا کہ آج نوچندی جمعرات ہے اس لیے بھی عورتوں کا ہجوم زیادہ ہے۔

ٹھٹھہ کی تاریخی اہمیت کے تعلق سے مفتی ابو السراج محمد طفیل احمد ٹھٹھوی صاحب اپنے کتابچہ "مکلی اور ٹھٹھہ کے تاریخی مقامات" میں لکھتے ہیں: "ٹھٹھہ دنیا کا سب سے بڑا آثارِ قدیمہ کا علاقہ ہے، جس میں سولہویں صدی کی قدیم اور خوبصورت عمارتیں مسلمان معماروں کی تعمیر شدہ موجود ہیں۔ یہاں تاریخی اہمیت اور آثار قدیمہ سے دلچسپی والے مقابر اور یادگاریں موجود ہیں اور سیاحوں اور تاریخی دلچسپی رکھنے والوں کے لیے جاذب نظر مقامات موجود ہیں۔ اس تاریخی شہر کے نزدیک خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اولیاء اللہ کی درگاہیں مثلاً مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، سید عبد اللہ شاہ اصحابی، شاہ مراد شیرازی، میٹھوں سید علی (بخاری بادشاہ) شیخ عالی، شیخ جیو، ملا عبد الرحمن لٹر، شاہ کمال، ابراہیم شاہ، شاہ مسکین شہید، شاہ مبین، بابو شاہ اور شاہ گوہر گنج رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ واقع ہیں۔ مذکورہ اولیاء اللہ کی درگاہوں پر آج بھی ہزاروں عقیدتمند حاضر ہو روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ (چند سطروں بعد) یہاں ۴۰۰ تعلیمی

ادارے تھے جن میں تمام ایشیاء کے شاگرد فلسفہ، سیاسیات اور مذہبیات کے علاوہ سائنس کے مختلف شعبوں میں علم حاصل کرتے تھے۔ تاریخ میں ٹھٹھہ کو ۱۳۵۱عیسوی سے ایک ترقی یافتہ علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ جب دہلی کے سلطان محمد تغلق نے اس کے گردونواح میں گجرات والی بغاوت کے سرکردہ رہنما کا پیچھا کرتے ہوئے وفات پائی، اس وقت سے سندھ کے زیریں (لاڑ) علاقے کی تاریخ ٹھٹھہ اجاگر ہوئی اور ۱۷۳۹ء تک ٹھٹھہ نے چار مسلم حکمرانوں کے عہد کے عروج و زوال دیکھے ہیں۔...... ان چار صدیوں کے دوران ٹھٹھہ اسلامی علوم، فنونِ لطیفہ اور دستکاری کا مرکز اور تجارت میں ترقی یافتہ مرکز رہا۔"

ہم درگاہ شریف کی زیارات کرتے ہوئے مکلی قبرستان میں داخل ہو گئے۔ مکلی قبرستان کے بارے میں مفتی ابوالسراج صاحب "مکلی اور ٹھٹھہ کے تاریخی مقامات" میں رقم طراز ہیں۔

مکلی کا قبرستان (شہر خموشاں) بزرگانِ دین، مصنفین، محدثین، شہنشاہ، امراء اور وزراء کے قدیم مقابر چودھویں تا اٹھارویں صدی عیسوی تک کے دنیا کے مسلمانان کے اس سب سے بڑے قبرستان کے ہزارہا مقبرے زمانۂ ماضی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ مکلی شہر خموشاں چھ مربع میل سے بھی زیادہ زمین پر پھیلا ہوا ہے، جس سے ماضی بعید کی چار سو سالہ ایک قدیم، عظیم تہذیب و تمدن اور تواریخ وابستہ ہے۔ یہ وہ دور تھے جب سمہ خاندان ۱۳۴۰ء سے ۱۵۲۰ء تک، ارغون ۱۵۲۰ء تا ۱۵۵۵ء، ترخان ۱۵۵۵ء تا ۱۵۹۲ء اور مغل حکمراں ۱۵۹۲ء تا ۱۷۳۹ء نے حکمرانی کی اور ٹھٹھہ شہر کو انہوں نے رونق بخشی۔ مال و دولت کی آسودگی کے لحاظ سے ہمعصر یورپی سیاحوں نے ٹھٹھہ شہر کو سونے کی کان سے تشبیہ دی ہے۔ اس قدیم تاریخی شہر کے باشندوں (بزرگانِ دین، مصنفین، محدثین، امراء، وزراء اور حکمرانوں نے) مکلی اپنی ابدی آرام گاہ بنایا۔

مکلی کے قبرستان کے جنوب کی طرف سے داخل ہونے پر فنِ تعمیر کے لحاظ سے تین مختلف ادوار کے مزارات دیکھنے میں آتے ہیں، جن کا تاریخی سلسلہ ماضی کی طرف پیچھے جاتا ہوا نظر آئے گا۔ یہاں ارغون، ترخان اور مغل دور کے مقابر اپنی تاریخی شان و شوکت ایک نہ بھولنے والی جھلک دیتے ہیں۔ مثلاً جانی بیگ، طغرل بیگ، خان بابا، دیوان شرفاء کے مقابر، ان سے آگے چلنے پر عیسیٰ خان، ترخان، اول باقی بیگ ترخان، سلطان ابراہیم، مرزا سلیمان کے مقابر موجود ہیں۔ مذکورہ مقابر جو کہ شمال کی جانب ہیں وہ سمہ سلاطین کے دور کے عظیم شاہکار ہیں، جن میں جام نظام الدین، مبارک خان عرف دولہا دریا خان، ملک راجپال ۱۴ویں صدی عیسویں کے شروعاتی دور کے عظیم شاہکار اور یادگار ہیں۔ مقابر کی تعمیر میں

پتھر اور کتھئی رنگ کی پکی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ اینٹیں اتنی عمدہ اور مضبوط ہیں کہ ٹکرانے پر بجتی ہیں اور ٹوٹنے پر شیشہ کی طرح چمکتی نظر آتی ہیں۔ اینٹوں کی دیواریں چنسالی، گل کاری (کاشی گری) سے مزین روغنی چمکدار ٹائلز سے سجی ہوئی ہیں، جس سے ایران سے سندھ کے قدیم ثقافتی رشتہ کا پتہ چلتا ہے۔ پتھر کی تعمیر سنگتراشی کا بہترین نمونہ ہیں۔ سنگتراشی کے کندہ کام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پتھر پر دبیز چادر چڑھادی گئی ہو۔

عام مشہور یہ ہے اس قبرستان میں دس لاکھ انسان دفن ہیں جو کہ روزِ محشر کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان میں نہ صرف اولیائے کرام بلکہ علماء، امراء، حکماء، ادباء، دانشور، پیر، فقراء، حکمراں اور ملکی و غیر ملکی حضرات مدفون ہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی قبریں غائب ہو چکی ہیں اور نشان مٹ چکے ہیں۔ کچھ درویش جن کے مزارات کے بارے میں تحفۃ الطاہرین کے مصنف شیخ اعظم ٹھٹھوی نے نشان دہی کی ہے کہ یہ قبرستان ۱۴ میل رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، شاید ہی دنیا میں کوئی اتنا بڑا قبرستان ہو۔"

وہاں سے نکل کر ہم نے حضرت سید عبد اللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ یہاں پر عورتوں کا بہت ہجوم تھا لیکن شکر ہے کہ ان کا داخلہ مزار شریف کے اندر ممنوع تھا۔ پھر وہاں سے نکلے اور بادشاہی مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ بہت دیر انتظار کے بعد رکشہ ملا جو ہمیں بادشاہی مسجد لے کر پہنچا۔ اس پر کندہ ہے کہ یہ مسجد شاہ جہاں نے بنوائی۔ اس مسجد کا طرز تعمیر ہندوستان میں مغلوں کی تعمیر کردہ مساجد سے کچھ مختلف ہے۔ یہاں آکر میں نے دیکھا کہ پاکستانی حکومت اس آثارِ قدیمہ کی دیکھ ریکھ اچھی طرح سے کرتی ہے۔ مسجد میں رنگ و روغن اور مرمت کا کام جاری تھا۔ جبکہ ہندوستان میں مغلیہ دور کے آثار قدیمہ کی ذرا بھی دیکھ بھال نہیں کی جاتی حالانکہ ان سے حکومت ہند کو کروڑوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ بس تعصب کی وجہ سے دیکھ بھال کی طرف توجہ نہیں کی جاتی کیونکہ ان کی تعمیر کا کریڈٹ مسلمان حکمرانوں کو جاتا ہے۔ ان آثار قدیمہ کی عمارتوں کے باہر نوٹس بورڈ پر اس طرح کی عبارت درج ہے کہ اس جگہ چار سو سال پہلے ایک مندر تھا۔ ایسی عبارات ہم نے تاج محل، لال قلعہ (آگرہ)، لال قلعہ (دہلی) میں دیکھی۔ اس کے برعکس آپ جے پور، میسور چلے جائیں جہاں کے آثار قدیمہ ہندو حکمرانوں کے تعمیر کردہ ہیں وہاں حکومت ان کی بہت اچھی طرح دیکھ ریکھ کرتی ہے۔

شام تک ہم وہیں رکے رہے۔ کچھ دیر آرام کیا۔ پھر علاقہ کی سیر کی اور عصر بعد ہم کراچی کیلئے

روانہ ہوئے۔ بس نے ہمیں قائد آباد، کراچی پہنچادیا۔ وہاں سے ہم اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

جمعہ ۳۱، جولائی ۱۹۹۸ء...... صبح جلد بیدار ہو کر اپنی ٹکٹ کنفرم کروانے کیلئے سوک سینٹر گیا۔ دو اگست ۹۸ء کو واپسی کنفرم کروالی۔ نماز جمعہ موسیٰ کالونی کی مسجد مدینۃ المنورہ میں ادا کی جس کا گنبد، مدینہ شریف کے گنبد خضراء کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ دوپہر کو اقبال بھائی کا فون آیا کہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے آپ کو دعوت طعام دی ہے۔ میں مغرب کے بعد اپنے کزن کے ہمراہ بتائے گئے پتے پر روانہ ہوا۔ راستہ میں کنزالایمان مسجد آتی ہے جہاں دعوت اسلامی کے بہترین نعت گو اور قاری مولانا محمد مشتاق قادری امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ چلتے چلتے میرے کزن بھائی نے کہا کہ کراچی میں بمبئی کی طرح سڑکوں پر سوتے نہیں ہیں۔ اس وقت میں خاموش رہا مگر واپسی کے وقت جب اس نے دیکھا کہ بہت سارے لوگ فٹ پاتھوں پر سو رہے ہیں تو بیچارہ شرمندہ ہو گیا۔ یہ پاکستانی عوام کی نادانی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے ملک کی بڑائی کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کوئی غلط بھی نہیں ہے کہ آدمی اپنے وطن کے تئیں اچھے جذبات کا اظہار رکھے۔ لیکن بڑے کام کرنے سے ملک کا نام روشن ہوتا ہے نہ کہ بڑا بول بولنے سے شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کو ایک مکمل مصطفیٰ نظام کے مطابق چلایا جائے تب اس پر فخر کیا جائے تو کوئی حرج نہیں جبکہ یہاں تو پورا معاشرہ ہی مغربی تقلید میں بگڑتا جا رہا ہے۔ یہاں کے عوام کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی پاکستان کے مسلمانوں کی آبادی سے کم ہے۔ لیکن میں نے جب جب ان پر یہ حقیقت واضح کی کہ ہندوستان میں پورے پاکستان کی تعداد (جن میں تمام مذاہب کے لوگ شامل ہیں) سے بھی زیادہ مسلمان رہتے ہیں تو وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

خیر ہم ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کے بنگلہ پر پہنچے تو وہ ہمارے ہی منتظر تھے۔ انھوں نے ہمیں اپنے مہمان خانے میں بٹھایا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کے گھر میں رضا اکیڈمی بمبئی کا سنی رضوی کلینڈر آویزاں تھا جس پر امام اہلسنّت کے اشعار کی تشریح تصویر سے کی گئی تھی ایک طرف میز پر ایک گولڈ میڈل رکھا ہوا تھا جو کراچی کے برکاتی فاؤنڈیشن نے ڈاکٹر صاحب کو کراچی یونیورسٹی سے "کنزالایمان اور دیگر معروف تراجم قرآن" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے پر دیا تھا۔ انھوں نے دعوتِ طعام پر حضرت مسعودِ ملت کی فیملی کو بھی مدعو کیا تھا کہ حال ہی میں ان کے بیٹے کی شادی ہوئی تھی۔ ان کے آنے تک ہم آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ ان دنوں امام احمد رضا کی مبسوط سوانح عمری مرتب کرنے میں مصروف ہیں جو کئی سو صفحات پر مشتمل

ہو گی۔ اب تک اعلیٰ حضرت کی مختصر سوانح حیات ہی مختلف ڈھنگ سے مرتب کر کے شائع کی گئی لیکن تفصیل سے کوئی بھی سوانح شائع نہیں گئی۔ قارئین افکار رضا کے لیے یہ خبر یقیناباعث مسرت ہو گی اس لیے میری تمام احباب سے درخواست ہے کہ آپ سب حضرات ڈاکٹر صاحب کیلئے کامیابی کی دعا کریں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب ضرور اس کام کو مکمل کرلیں گے۔ اب تک انھوں نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں لہٰذا یہ بھی ان کیلئے کوئی مشکل نہیں بس فرصت ملنے کی بات ہے۔

باتوں باتوں میں انھوں نے پاکستان کے دینی اداروں کی زبوں حالی کا ذکر کیا کہ دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء کی اکثریت اُن لوگوں کی ہے جن کے والدین کے پاس ان کی پرورش اور تعلیم کے اخراجات اُٹھانے کی استطاعت نہیں ہے۔ چونکہ ہمارے مدارس میں تعلیم کے ساتھ مفت قیام وطعام کی سہولت فراہم کی جاتی ہے اس لیے والدین یہاں اپنے بچوں کو ڈال کر ان کی کفالت سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ ان کا دینی تعلیم حاصل کرنا کسی شوق یا علم دین کی خدمت کے طور پر نہیں بلکہ ان کے والدین کی ایک مجبوری کے تحت ہوتا ہے کہ جب تک بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ ان کی کفالت سے بری الذمہ ہو گئے اور جب وہ تعلیم مکمل کر چکے، بالغ ہو گئے تو خود اپنے روزگار کیلئے جدوجہد کریں گے۔ مدارس اسلامیہ سے فارغین کی اکثریت ایسے لوگوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے جو باہر نکل کر صرف روزی روٹی کے حصول کے چکر میں رہتے ہیں اور اکثر فاتحہ، قرآن خوانی، میلاد خوانی وغیرہ کاموں میں لگ کر ایک عالم کے صحیح کردار کو مسخ کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ کیا اس طرح کے علماء زمانے کے چیلنجوں کو مقابلہ کر سکتے ہیں؟...... میں نے انھیں بتایا کہ ادھر ہمارے ہندوستان میں بھی یہی حال ہے۔ اس لئے آج لوگوں کی نظروں میں عالم دین کی وقعت نہیں رہی، وہ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر جن کی خدمات کو چند پیسوں کے عوض کبھی بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔...... ان حالات میں دین کی ترویج و اشاعت میں بہتری کیسے آسکے گی؟

ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب بہت ہی اچھی فطرت کے مالک ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ہیں اس کے باوجود ان میں ذرا بھی تکبر یا غرور نام کی کوئی چیز نہیں۔ مجھ حقیر جس کی کوئی اہمیت نہیں، سے کافی دیر تک اہم مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ اس دوران چائے کا بھی اہتمام کیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، جناب سید وجاہت رسول قادری صاحب تشریف لائے۔ تب ہم نے ان کی امامت میں نماز عشاء پڑھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی حضرت مسعود ملت صاحب تشریف لائے

ان کے صاحبزادے اور کچھ خواتین بھی تھیں جو دوسرے حصے میں چلی گئیں۔ رسمی علیک سلیک کے بعد ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے فوراً دستر خوان بچھادیا اور ہم نے بہترین کھانے کی نعمتوں سے لطف اٹھایا۔

کھانے سے فراغت کے بعد بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب ایک فائل اٹھالائے اور امام احمد رضا کی مبسوط سوانح حیات پر جو کام کر رہے تھے اس سلسلے میں حضرت مسعودِ ملت سے مشورہ کرنے لگے۔ چونکہ یہ سوانح مرتب کی جانے والی تھی اس لیے جن رسالوں میں امام احمد رضا کی حیات کے مختلف گوشوں پر مضامین شائع ہو چکے تھے ان کے فوٹواسٹیٹ کو جمع کیا جارہا تھا۔ مسعود ملت صاحب نے انھیں کئی نکات سمجھائے۔ پھر حضرت مسعود ملت احقر کی جانب متوجہ ہوئے اور سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کام کرنے والے اور کتنے افراد ہیں۔ اس بات کا میں کوئی جواب نہ دے سکا کیونکہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی طرح ہمارا کام کوئی منظم طریقہ پر نہیں ہورہا ہے۔ مجھ سمیت ہمارے تمام ساتھی مختلف نوکریاں کرتے ہیں شام کو فارغ ہونے کے بعد کا وقت ہم خدمت دین میں لگاتے ہیں بلکہ رب تعالیٰ ہم سے دین کی خدمت لے رہا ہے۔ ہمیں مختصر وقت میں تمام کام خود کرنے ہوتے ہیں جس میں سب سے اہم مسئلہ جس کے بغیر آج دین کا کام ذرا بھی آگے نہیں بڑھ سکتا وہ ہے مالی وسائل۔ ہمارے لیے جس کا حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اس لیے اب تک ہم کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکے۔

رات بہت ہو چکی تھی اور کراچی کے ناگفتہ حالات کے خوف نے ہم سب کو رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

سنیچر یکم اگست ۱۹۹۸ء...... آج کا ایک اہم کام اپنی واپسی کی انٹری Entry کروانا تھا کہ پیر کی صبح سویرے میری روانگی تھی اور بیچ میں اتوار تھا یعنی چھٹی۔ وہاں کام ختم کر کے میں ادارہ تحقیقات کے آفس آیا۔ وہاں ایک اور شخصیت جناب یونس بھائی سے ملاقات ہوگئی جو کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ پر پی ایچ ڈی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انھیں اس سلسلے میں ہندوستان کے چند افراد سے مدد درکار تھی۔ جس کے لیے انھوں نے مجھے چند خطوط ان افراد کو پوسٹ کرنے کیلئے دیئے۔ اس کے علاوہ برادرم اقبال احمد اختر القادری صاحب نے بمبئی کے چند افراد کے نام چند خطوط دیئے اور چند کتابوں کے تحفے ان حضرات کیلئے دیئے۔ آفس میں کافی دیر بیٹھ کر سب سے بات چیت ہوتی رہی۔ پھر میں نے سب سے الوداعی ملاقات کی۔ اکثر افراد نے مجھ سے یہ فرمائش کی تھی کہ میں جب کبھی اجمیر شریف، بریلی

شریف، دہلی شریف، مارہرہ شریف وغیرہ میں وہاں کے بزرگوں کے آستانوں پر جاؤں تو ان کے لیے ضرور دعا کروں۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا۔

یہاں رہتے ہوئے روزانہ اخبارات کے مطالعہ کا بھی موقع ملا۔ بڑے اخباروں میں اخبار جنگ، نوائے وقت قابلِ ذکر ہیں۔ جن میں صفحات تو زیادہ ہوتے ہیں (جیسے ہمارے یہاں کے انگریزی اخبارات) مگر ان کی قیمتیں عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہوتی ہیں۔ عام دنوں میں سات روپے اور جمعہ کے دن دس روپے۔ اسی بناء پر کچھ ناشرین نے چار یا چھ صفحوں پر مشتمل اخبارات بھی ایک دو روپے میں جاری کر دیئے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں، روزنامہ اساس، دن، خبریں، امن، جسارت......وغیرہ۔
یہ تمام اخبارات مصالحہ دار ہوتے ہیں یعنی سرورق پر درسِ قرآن و درسِ حدیث اور اندرونی صفحات پر فلمی ہیروئنوں کی بے ہودہ تصویریں، بالی ووڈ اور لالی ووڈ کی بے سر و پا خبریں۔ اس کے علاوہ کچھ زر پرستوں نے ایک لعنت یہ بھی شروع کر دی ہے یعنی فلمی اخبارات و رسائل جن میں ہندوستان اور پاکستانی فلموں کی خبریں مع رنگین و سنگین تصاویر شائع کی جاتی ہیں۔ نیم برہنہ تصاویر سے مزین یہ اخبار و رسائل تمام بک اسٹالوں پر عام ملتے ہیں پتہ نہیں یہ بے ہودہ اور فحش لٹریچر شائع کرنے کی اجازت کیسے مل جاتی ہے۔

یہاں اہلسنت کے بہت سارے مذہبی جریدے شائع ہوتے ہیں اور شائع ہونا بھی چاہئے کیونکہ یہاں اردو ہی قومی زبان ہے۔ مشہور ماہناموں میں کچھ کے نام یہ ہیں، جہانِ رضا (جو بلا قیمت تقسیم ہوتا ہے)، ضیائے حرم، رضائے مصطفیٰ، منہاج القرآن، سوئے حجاز، السعید، القول السدید وغیرہ۔

شام کو گھر پہنچا کہ تھوڑی دیر میں اٹک، برہان شریف سے سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب کا فون آگیا۔ موصوف مجھ سے ملنے کیلئے بہت بے چین تھے اور جب انھیں پتہ چلا کہ میں لاہور آرہا ہوں تو انہوں نے لاہور آکر مجھ سے ملنے کا پروگرام بنالیا اور تقریباً چھ گھنٹہ کا سفر کر کے وہ لاہور پہنچے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی وجہ یہ ہوئی کہ میرے پروگرام میں ذرا سی تبدیلی ہو گئی جس کی اطلاع میں شاہ صاحب کو نہیں پہنچا سکا اور بے چارے اتنی کوفت اٹھا کر جب لاہور پہنچے تو میں وہاں سے نکل چکا تھا۔ شاہ صاحب سے میرا رابطہ "جہانِ رضا" کے ذریعے سے ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا نام ہے "ادارہ فروغ افکارِ رضا" اور ہمارے رسالہ کا نام ہے "افکارِ رضا"۔ اسی نام کی مناسبت نے ہمیں ایک دوسرے سے قریب کر دیا۔ موصوف ایک چھوٹے سے قصبہ کے ایک اسکول میں ٹیچر ہیں اور

لکھنے کا جنون کی حد تک شوق رکھتے ہیں وہ بھی امام عشق و محبت امام احمد رضا کی شخصیت پر۔ حیرت اس بات پر ہے کہ شاہ صاحب ایک دور افتادہ اور وسائل جدیدہ سے محروم گوشے میں رہ کر جہاں نہ پانی ہے نہ بجلی اور نہ ہی دور جدید کی دیگر سہولیات۔ اس کے باوجود بھی تحقیق و تدقیق اور تصنیف و تالیف کا کام اس سرعت رفتاری سے انجام دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اب تک امام احمد رضا کی شخصیت پر ان کے بے شمار مقالے شائع ہو کر داد تحسین پا چکے ہیں اور کئی مقالے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں چند ایک کے نام یوں ہیں: امام احمد رضا کاملین کی نظر میں، امام احمد رضا علماء دیوبند کی نظر میں، امام احمد رضا اور احترام سادات وغیرہ۔ افکار رضا کیلئے بھی انھوں نے کئی مضامین ارسال کیے تھے جو افکار رضا کے مختلف شماروں میں شائع ہو کر قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئے۔

سید صابر حسین شاہ صاحب نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ ہم نے سوچا کہ شاید اسی میں خدا کی مرضی شامل حال ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کیلئے چند کتابیں اور چند مقالے لے کر آیا تھا جو آپ سے عدم ملاقات کی صورت میں فاروقی صاحب کے سپرد کر آیا وہ آپ تک بذریعہ ڈاک بھجوا دیں گے۔ آخر میں شاہ صاحب نے مجھ سے ایک درخواست کی کہ میں ہندوستان میں جب بھی حضور غریب نواز، حضرت نظام الدین اولیاء، امام احمد رضا یا کسی بھی ولیٔ کامل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی بارگاہ میں حاضری دوں تو ان کو ضرور اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں اور ان کے لیے بھی دعا کروں۔

اتوار ۲، اگست ۱۹۹۸ء...... کراچی میں میرا آخری دن تھا۔ میں جن مقاصد کو لے کر یہاں آیا تھا الحمد للہ ان سب مقاصد کو حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ ڈھیر ساری کتابیں اور محبتیں سمیٹ کر جا رہا تھا۔ اس سفر میں جن لوگوں نے مجھ حقیر کی خدمت کی، میری ہر طرح سے مدد کی، مجھے ہر قسم کی پریشانی سے بچایا، میرے مقاصد کی تکمیل کا سامان فراہم کیا، مجھے تحفتاً کتابوں سے نوازا، میری ضیافت کی۔ میں ان تمام حضرات کا بے حد مشکور و ممنون ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان حضرات کو دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں سے مالا مال کر دے۔ اور مجھ گناہ گار کو توفیق عطا فرما کہ میں بھی ان کی خدمت کر سکوں۔ آمین

اپنے اس سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ پاکستان کے مسلمان سنیت میں بہت پختہ ہیں اور یہاں سنیوں کو کھل کر کام کرنے کی آزادی ہے۔ الحمد للہ۔ اہلسنت و جماعت کے کام کے لحاظ سے کافی ترقی ہوئی ہے۔ اب کچھ لوگوں نے وقت کے تقاضوں کو سمجھ کر کام کرنا شروع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاہے وعظ و تدریس کا میدان ہو چاہے دینی کتب کی نشر و اشاعت کا میدان ہو ہر جگہ اہلسنت تیزی سے آگے

بڑھ رہے ہیں اور یہ لٹریچر ہندوستان میں بھی فروغِ اہلسنّت کیلئے بہت ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی تفسیر نعیمی جو ادھوری رہ گئی تھی اس کو آگے لکھنے کا کام جاری ہے اب تک سولہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس کے علاوہ تفسیر حسنات (مکمل) تفسیر ضیاء القرآن (مکمل)، تفسیر روح البیان کا اردو ترجمہ (مکمل)، مولانا نبی بخش حلوائی کی منظوم تفسیر نبوی کا ترجمہ (مکمل) شائع ہو چکی ہیں۔ احادیث اور دیگر بہت سی عربی و فارسی کتابوں کے ترجمے دستیاب تو تھے لیکن وہ بد عقیدوں کے تھے جو اپنے گمراہ عقائد کے مطابق ترجمے میں تحریف کر دیا کرتے تھے اب ماشاء اللہ وہ کتابیں سنی مترجمین کے ترجموں کے ساتھ ملنے لگی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی نادر و نایاب کتابیں جو عربی و فارسی میں تھیں ان کے تراجم بھی شائع ہو کر عام ہو رہے ہیں۔

قارئین افکارِ رضا کیلئے یہ بات باعث حیرت ہو گی کہ پاکستان میں مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے زیادہ جوش اور سرگرمی نظر آتی ہے۔ یہاں پر بھی امام احمد رضا کی ذات صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں اور بد مذہب فرقوں کے درمیان نشانِ امتیاز کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام احمد رضا کی تصانیف، امام احمد رضا پر لکھی گئی تصانیف، امام احمد رضا کی کتابوں کے تراجم، امام احمد رضا پر ہونے والا تحقیقی کام...... سب کاموں میں یہاں کے لوگ سبقت لے جا رہے ہیں۔ پاکستان میں بے شمار ادارے امام احمد رضا کے نام پر قائم کیے گئے ہیں جن کا واحد مقصد امام احمد رضا کی تعلیمات، افکار و نظریات کو عام کرنا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ مرکزی مجلس رضا، رضا اکیڈمی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ادارہ پیغام رضا، بزمِ رضویہ، ادارہ فروغ افکار رضا، بزم رضا، ...... اس کے علاوہ کچھ ادارے دیگر ناموں سے بھی رضویات کے فروغ میں حصہ لے رہے ہیں۔ ادارہ معارف نعمانیہ، جمعیت اشاعت اہلسنت، بزم عاشقان مصطفیٰ ﷺ وغیرھم۔

اس کے علاوہ سنی کتابوں کے بہت سے ناشرین میدان میں آگئے ہیں۔ المختار پبلی کیشنز، برکاتی پبلشرز، ادارۂ مسعودیہ، مکتبۃ المدینہ، مکتبۂ غوثیہ، مکتبۂ اویسیہ رضویہ (بہاولپور)، مکتبہ وقار الملت، فیض رضا پبلی کیشنز لاہور میں مکتبۂ قادریہ، مکتبۂ نبویہ، مسلم کتابوی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنبدِ خضریٰ پبلی کیشنز، مکتبۂ نوریہ رضویہ، صفہ اکیڈمی، ادارۂ مظہر اسلام، ...... اس کے علاوہ احقر نے دیکھا کہ یہاں پر بعض چھوٹی چھوٹی محلہ کی تنظیمیں بھی ہیں جو کہ سنی لٹریچر کی اشاعت میں سرگرم ہے بعض حضرات نے اپنے کسی پیرو مرشد کی نسبت سے بھی کوئی تنظیم قائم کی ہے اور کتابوں کی اشاعت کے ذریعہ سے مسلک

کی اشاعت کا کام بھی ہو رہا ہے اور ساتھ ہی پیرو مرشد کی روح کو ایصال ثواب بھی پہنچایا جا رہا ہے۔

احقر کی نظر میں یہ کوئی سفرنامہ نہیں ہے کیونکہ اس میں سفر کم نامہ زیادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ احقر سفرنامہ جیسی صنف ادب کے قواعد و ضوابط سے قطعاً لاعلم ہے، نہ ہی لکھنے کا سلیقہ آتا ہے۔ بس اس تحریر کا مقصد صرف یہ تھا کہ قارئین افکار رضا تک پاکستان میں رضویات اور مسلکِ اعلیٰ حضرت سے متعلق معلومات بہم پہنچاؤں۔ ارادہ تھا کہ اگر قارئین کو یہ روداد پسند نہ آئی تو اسے آگے نہیں بڑھاؤں گا۔ لیکن قارئین کے بے حد اصرار پر اسے مکمل کرنا پڑا۔ اور آپ لوگوں نے دیکھا اور محسوس کیا کہ میرے رضا کا پاکستان کیسا تھا۔

اس تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو احقر معذرت خواہ ہے اور واقعات و حقائق تحریر کرنے میں کہیں غلطی ہو گئی ہو تو احقر کو توجہ دلائیں۔ انشاء اللہ ازالہ کی کوشش کی جائے گی۔

قارئین محترم! انشاء اللہ، زندگی رہی تو پھر آپ لوگوں کو پاکستان کی سیر کرواؤں گا۔ آپ لوگ اس حقیر ناکارہ اور بدکار کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اور اس شعر کی عملی تفسیر بننے کی دعا فرمائیں:

دنیا رہے یا بگڑے　　دنیا رہے یا جائے
تو دین بنا پیارے　　دنیا کا ہے کیا کہنا

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

اخبارِ رضا

☆ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی پاکستان نے اپنے سالانہ مجلہ "معارف رضا" کو ماہنامہ میں تبدیل کردیا ہے یہ ماہنامہ جنوری ۲۰۰۰ء سے جاری ہوگیا ہے اور ہر ماہ پابندی سے شائع ہورہا ہے۔ ☆مولانا رحمت اللہ صدیقی نے امام الاولیاء قطبِ عالم سرکار مفتیٔ اعظم حضور مصطفیٰ رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات کے حوالے سے پانچ سو صفحات پر مشتمل "معارفِ حضور مفتی اعظم" جلد اول مرتب کی ہے جو گراں قدر مقالوں خوشنما کتابت، نفیس طباعت اور دلکش ٹائیٹل کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے ہدیہ صرف سو۱۰۰ روپے۔ ناشر رضادارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار ☆تاج العلماء حضرت علامہ مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہروی کی تصنیف لطیف "اصح التواریخ" (تاریخ مشائخ مارہرہ مطہرہ) رضادارالمطالعہ کے زیر اہتمام جدید کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہے۔ جس کی رسم اجراء ۲۵۔۲۶، اپریل ۲۰۰۰ء پیغام رضا کانفرنس (منعقدہ بہار) کے موقع پر حضرت سید امین میاں صاحب قبلہ مارہرہ شریف کے مقدس ہاتھوں عمل میں آرہی ہے۔ انشاء اللہ ہدیہ صرف سو۱۰۰ روپے۔ ☆ناز بک ڈپو، بھنڈی بازار، ممبئی ۳ نے "سیرۃ المصطفیٰ" مصنف علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، کا ہندی میں ترجمہ شائع کردیا ہے۔ ☆"سیرت رسول اور ہماری زندگی" تصنیف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری، تلخیص مولانا عبدالمبین نعمانی، رضا اسلامک مشن۔ ۱۳۶۹، اسلام پورہ۔ مالیگاؤں۔ ۴۲۳۲۰۳، ضلع ناسک نے شائع کردی ہے۔ ۵، روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں۔ ☆"غلط ترجموں کی نشاندہی اور امام احمد رضا"۔ "دیوبند اور تھانوی" نامی کتابیں رضا اکیڈمی، ۱۸۵۳۔ اسلام پورہ، مالیگاؤں۔ ۴۲۳۲۰۳، ضلع ناسک سے دو روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کریں۔ ☆مولانا غلام جابر شمس مصباحی نے "امام احمد رضا کی مکتوب نگاری" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کیلئے مظفر پور یونیورسٹی، بہار سے رجسٹریشن کروالیا ہے۔ موصوف پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کے زیر نگرانی اس مقالہ کی تیاری کررہے ہیں۔ ☆الدارالسنیہ، ۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی نے مولانا محمد علی رضا قادری کی تصنیف "تقویت الایمان میں تحریف کیوں؟" شائع کردی ہے۔ قیمت :-/۳۵ روپے ہے۔ ☆سنی یوتھ فیڈریشن، ممبئی نے علامہ قمر الزماں اعظمی کی تقریر "اکیسویں صدی اور مسلمان" کو کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔ قیمت آٹھ روپے۔ ☆ تحریک فکر رضا، ممبئی نے مولانا کوثر نیازی کی ممبئی میں کی گئی تقریر "امام احمد رضا بحیثیت عاشق رسول ﷺ" کو کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔ قیمت چھ (-/6) روپے۔ تحریک فکر رضا کے پتے سے حاصل کرسکتے ہیں۔

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
- علماءِ اہلِ سنّت وجماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دِن رات کوشاں رہنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
- امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
- اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
- ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار رہوگا۔